اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ [الأعراف: ٣]

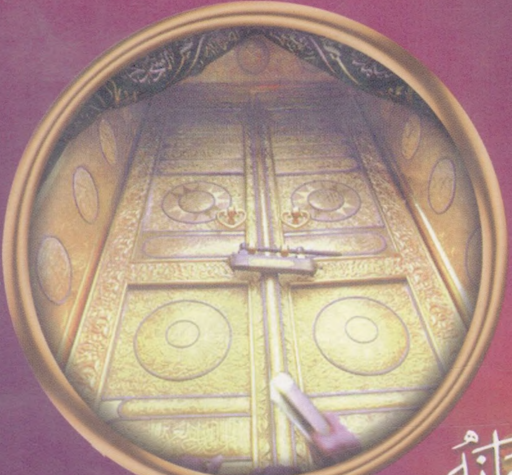
"جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسی کی اتباع کرو"

پانچ اہم دینی مسائل

عشرہ ذوالحجہ عیدین قربانی عقیقہ

اور نومولود بچے سے متعلقہ مسائل کا تحقیقی جائزہ

کتاب وسنت اور صحیح احادیث کی روشنی میں مع تخریج وتحقیق



تالیف
حافظ عمران ایوب لاہوری

نعمانی کتب خانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

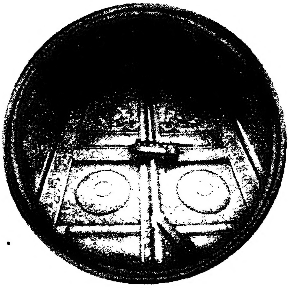
☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یادیگرمادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com



پانچ اہم دینی مسائل

نام کتاب
پانچ اہم دینی مسائل

تالیف
حافظ عمران ایوب لاہوری

کمپوزنگ
عرفان ایوب لاہوری

سرورق
رضم لاہور

تاریخ اشاعت
فروری ۲۰۰۴ء

مطبوعہ
علی آصف پرنٹرز لاہور

ناشر
نعمانی کتب خانہ
لاہور

e-mail: nomania2000@hotmail.com

NOMANI

اِتَّبِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ [الأعراف: ٣]

"جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسی کی اتباع کرو"

پانچ اہم دینی مسائل

عشرہ ذوالحجہ عیدین قربانی عقیقہ

اور نومولود بچے سے متعلقہ مسائل کا تحقیقی جائزہ

کتاب وسنت اور صحیح احادیث کی روشنی میں مع تخریج وتحقیق

تالیف

حافظ عمران ایوب لاہوری



نعمانی کتب خانہ

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

مسائل قربانی

مسائل عقیقہ

نومولود بچے سے متعلقہ مسائل

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

شرعی، سائنسی اور طبی بصائر کی روشنی میں

از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کیلانی حفظہ اللہ

❋❋❋

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کی وجہ سے ہر گوشۂ زندگی میں ہماری کامیاب رہنمائی کرتا ہے۔ یقیناً اسلام کی صورت میں خالق کائنات نے اپنی تمام تر مخلوق کے لیے ایسے سنہری اصول مرتب فرما کر نازل کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسان کا بھی نہ صرف اخروی فائدہ ہے بلکہ دنیاوی کامیابی کا راز بھی انہی میں پنہاں ہے۔ یہ سب جاننے کے باوجود ہر چند کہ ہمیں اسلامی تعلیمات سیکھنے کے ہزارہا مواقع بھی میسر ہوتے ہیں لیکن ہم دوراندیشی سے کام نہیں لیتے بلکہ جز وقتی آسائش وسکون کے لیے ایسے تمام مواقع مسترد کر دیتے ہیں اور جہالت و کم علمی کے باعث محض رسمی و رواجی مسلمان بن کر زمانے کی غلط روش کے مطابق ہی چلتے رہتے ہیں۔

ہمیں دنیاوی معاملات کا تو بہت علم ہے لیکن ہم دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ عیدین یا قربانی کے مسائل ہی لے لیجیے۔ ہمیں اتنا تو علم ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دو خوشی کے دن ہیں' ان میں مختلف قسم کے پکوان تیار کرنے ہیں' رشتہ داروں اور دوست احباب سے ملاقاتیں کرنی ہیں' سینما ہالز کو آباد کرنا ہے اور وقت ملا تو کرکٹ

کھیلنا ہے' لیکن یہ علم نہیں کہ عید کی نماز بھی ادا کرنی ہے یا نہیں' اگر نماز عید رہ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اسے ادا کرنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح قربانی کے متعلق ہمیں اتنا تو علم ہے کہ قربانی کے لیے جانور خریدنا ہے لیکن یہ علم نہیں کہ قربانی کے لیے کیسا جانور ذبح کرنا چاہیے؟' کن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی ؟ اور قربانی کی کیا شرائط ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

نیز اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد جیسی بے مثال نعمت سے نوازے تو ہمیں سالگرہ کرنا (جو ایک غیر اسلامی تہوار ہے) تو ہر سال یاد ہوتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز نومولود بچے کا عقیقہ کرنا' اس کا سر منڈا کر بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنا ہمیں یکسر یاد نہیں رہتا حالانکہ یہ سب افعال اسلام کا حصہ ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہم پر صادق آ چکا ہے جو اس نے جاہلوں کے متعلق قرآن میں نقل فرمایا ہے:

﴿ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾

''اللہ کا وعدہ ہے' اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی مخالفت نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ تو (صرف) دنیوی زندگی کے ظاہر کو (ہی) جانتے ہیں اور آخرت سے تو بالکل ہی بے خبر ہیں۔''

اسی صورتحال کے پیش نظر راقم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس قسم کے وہ چند مسائل جن سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا رہتا ہے یکجا کر دیے جائیں۔ یہ کتاب اسی کاوش کی آئینہ دار ہے۔

اِس کتاب میں مسائل کے استنباط کے لیے صرف صحیح احادیث کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ہر حدیث کے بعد اس کا حوالہ بھی درج کر دیا گیا ہے تاکہ اگر کوئی مزید تحقیق کے

لیے اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے تو مشکل پیش نہ آئے۔صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب کی احادیث کے متعلق صحیح یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔مسائل کی مزید تائید اور افادۂ عام کی غرض سے مختلف فقہا و مفتیان کے فتاوی جات بھی نقل کیے گئے ہیں جن میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام شوکانی، حافظ ابن حجر، امام نووی، امام ابن قدامہ، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری، شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین، شیخ ابن جبرین، سعودی مجلس افتاء اور بعض دیگر علما بھی شامل ہیں۔اُردو عبارت نہایت سلیس اور آسان فہم رکھی گئی ہے تاکہ قارئین کو مسائل سمجھنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو تمام مسلمانوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور راقم اور اس کے اہل وعیال کے لیے دنیاوی واخروی نجات کا سبب بنائے۔(آمین)

[ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم]

حافظ عمران ایوب لاہوری

کتبہ بتاریخ : 1 جنوری 2004ء

بمطابق : 8 ذیقعد 1424ھ

ایڈریس : مکان نمبر 52 گلی نمبر 7 اورنگ زیب

پارک شمع کالونی مین شہباز روڈ شاد باغ لاہور۔

فون : 0300-4411524

ای میل: hfzimran_ayub@yahoo.com

مسائل عشرہ ذوالحجہ

مسائل عشرہ ذوالحجہ

عشرہ ذوالحجہ کا معنی و مفہوم

''عشرہ'' دس کو کہتے ہیں اور ذوالحجہ اسلامی مہینوں میں سے آخری مہینے کا نام ہے اور چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ عشرہ ذوالحجہ سے مراد ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں جن میں سے دسواں دن عید الاضحیٰ کا ہوتا ہے۔

عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت

ان دس ایام کی بہت زیادہ فضیلت ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [الفجر: ١-٢]

''قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں کہ

((والليالي العشر المراد بها عشر ذي الحجة كما قاله ابن عباس وابن الزبير ومجاهد وغير واحد من السلف والخلف))

''اور دس راتوں سے مراد عشرہ ذوالحجہ ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ اور دیگر متعدد سلف وخلف اسی کے قائل ہیں۔ (١)

اسی آیت کی تفسیر میں امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

((وَلَيَالٍ عَشْرٍ: أي ليالي عشر من ذي الحجة))

''اور دس راتوں سے مرادِ عشرہ ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں۔''(٢)

---

(١) [تفسیر ابن کثیر (٤٤٩/٦)]

(٢) [تفسیر فتح القدیر (٥٢٩/٥)]

اللہ تعالیٰ کا ان دس راتوں کی قسم کھانا یقیناً عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

(2) ((عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : ما من أيام العمل الصالح فيها أحب إلى الله عزو جل' من هذه الأيام ' يعني : أيام العشر' قالو: يا رسول الله ! ولا الجهاد في سبيل الله؟ قال : ولا الجهاد في سبيل الله ؛ إلا رجل خرج بنفسه وماله ثم لم يرجع بشيئ من ذلك))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان دنوں 'یعنی عشرہ ذوالحجہ کے دنوں' کے نیک عمل سے زیادہ کسی دن کے عمل میں فضیلت نہیں۔ لوگوں نے پوچھا اور جہاد میں بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جہاد میں بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان و مال خطرہ میں ڈال کر نکلا اور ان میں سے کچھ بھی واپس نہ لایا۔ (سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا)۔'' (١)

(3) ((عن ابن عمر رضی الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ما من أيام أعظم عند الله سبحانه ولا أحب إليه العمل فيهن ' من هذه الأيام العشر؛ فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل اس قدر پر عظمت اور پسندیدہ نہیں' جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔'' (٢)

فضیلت عشرہ ذوالحجہ کی وجوہات

غالباً اس فضیلت کی وجوہات میں سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں اسلام کا ایک

(١) [بخاری (٩٦٩) كتاب العيدين : باب فضل العمل في أيام التشريق' أبو داود (٢٤٣٨) ترمذی (٧٥٧) ابن ماجة (١٧٢٧) دارمی (١٧٨١'١٧٨٠) أحمد (٢٢٤/١) شرح السنة (١١٢٥)]

(٢) [أحمد (٧٥/٢) مسند عبد بن حميد (٨٠٧)]

اہم رکن ''حج'' ادا کیا جاتا ہے۔اور حافظ ابن حجرؒ نے عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت کا سبب ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

((والذی یظهر أن السبب فی امتیاز عشر ذی الحجة لمكان اجتماع أمهات العبادة فیه ' وهی الصلاة والصیام والصدقة والحج' ولا یتاتی ذلك فی غیره))

''عشرہ ذوالحجہ کے امتیاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں میں (تمام) بنیادی عبادات جمع ہوتی ہیں اور وہ نماز' روزہ' صدقہ اور حج ہیں اور ان (دنوں) کے علاوہ کسی اور دن میں جمع نہیں ہوتیں۔'' (۱)

نیز ان دنوں کی امتیازی شان کا سبب یہ بھی ہے کہ ان میں نو ذوالحجہ یعنی یوم عرفہ کا روزہ ہے جو دو سال (ایک گذشتہ اور ایک آئندہ سال) کے گناہوں کی بخشش کا باعث بنتا ہے۔

مزید برآں رسول اللہ ﷺ سے یوم النحر یعنی عیدالاضحیٰ کے پہلے دن کی بطور خاص فضیلت ثابت ہے جو کہ انہی دس ایام میں سے آخری دن ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبدالله بن قرط رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : **إن أعظم الأيام عندالله يوم النحر ثم يوم القر**))

''حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔'' (۲)

اگر چہ علماء نے ان دس دنوں کی فضیلت کی یہ تمام توجیہات بیان کی ہیں لیکن زیادہ

(۱) [فتح الباری (۲/۴۶۰)]

(۲) [ابو داود (۱۷۶۵) کتاب المناسك : باب الهدی إذ اعطب قبل أن یبلغ ' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۱۵۵۲)]

مناسب بات یہ ہے کہ اس فضیلت کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

کیا عشرہ ذوالحجہ کے اعمال جہاد سے افضل ہیں؟

صحیح بخاری میں عشرہ ذوالحجہ کی فضیلت والی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا جہاد بھی ان دس دنوں کے اعمال سے افضل نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ((ولا الجهاد في سبيل الله)) ''اور جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں ہے۔''

بعض لوگوں نے اس سے یہ مفہوم اخذ کر لیا ہے کہ ان دس دنوں میں کیا گیا کوئی بھی نیک عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے مثلاً ان دنوں کے نوافل، ذکر واذکار یا صدقہ وخیرات وغیرہ دوسرے دنوں کے جہاد وقتال سے افضل ہیں اس لیے انہی دنوں میں زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ سرانجام دے کر جہاد سے بھی زیادہ فضیلت حاصل کی جاسکتی ہے۔

حالانکہ اس حدیث کا مطلب یوں نہیں بلکہ یہ ہے کہ ہر عمل کا اسی عمل کے ساتھ مقابلہ کیا جائے گا نہ کہ کسی بھی عمل کا کسی دوسرے عمل کے ساتھ۔ یعنی ان دنوں کے جہاد کا دوسرے دنوں کے جہاد سے ہی مقابلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ان دنوں کا جہاد دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہے، اسی طرح ان دنوں کے اذکار دوسرے دنوں کے اذکار سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔

گذشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ عشرہ ذوالحجہ میں کیا گیا کوئی بھی صالح عمل دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل نہیں ہے (سوائے شہادت کی موت کے) بلکہ ان دس دنوں کا جہاد ہی دوسرے دنوں کے جہاد سے افضل ہوسکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

کیا عشرہ ذوالحجہ کے روزے رمضان کے روزوں سے افضل ہیں؟

اسی حدیث سے یہ بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ عشرہ ذوالحجہ میں رکھے گئے روزے

رمضان کے روزوں سے بھی افضل ہیں کیونکہ اس حدیث میں ان دنوں کے نیک اعمال کو باقی تمام دنوں کے نیک اعمال پر فضیلت دی گئی ہے اور باقی دنوں میں ماہ رمضان بھی شامل ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ان دس دنوں میں رکھے جانے والے روزے نفلی ہیں کیونکہ ان میں کوئی روزے فرض نہیں کیے گئے بلکہ فرض روزے صرف رمضان کے ہیں اگرچہ احادیث میں نوافل کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وما یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه ، فإذا أحببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ، ویده التی یبطش بها ، ورجله التی یمشی بها ، وإن سألنی لأعطینه ، ولئن استعاذنی لأعیذنه))

"اور میرا بندہ نفلی عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں، اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ کا طالب ہوتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں۔" (١)

لیکن نوافل کسی صورت میں بھی فرائض سے افضل نہیں ہو سکتے جیسا کہ اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وما تقرب إلی عبدی بشیء أحب إلی مما افترضت علیه))

(١) [بخاری (٦٥٠٢) کتاب الرقاق : باب التواضع]

’’اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔‘‘ (۱)

اور اس کی مزید تائید اُس اصولی قاعدہ سے بھی ہوتی ہے جسے علمائے اصولیین نے اصولی قواعد کی کتب میں درج کیا ہے:

((الفرض أفضل من النفل))

’’فرض نفل سے افضل ہے۔‘‘ (۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عشرہ ذوالحجہ کے روزے نفلی ہیں اور رمضان کے فرض اور فرض ہمیشہ نفل سے افضل ہوتا ہے لہذا رمضان کے روزے ان دنوں کے روزوں سے افضل ہیں۔

عشرہ ذوالحجہ میں جستجو سے عبادات کرنا

عشرہ ذوالحجہ میں صاحب حیثیت لوگ تو حج کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں اور اس عظیم فریضۂ اسلام کی ادائیگی سے بے پناہ اجر حاصل کر کے لوٹتے ہیں لیکن غرباء حضرات اس فریضہ کی طاقت نہ ہونے کے باعث اجر سے محروم رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے ان دس دنوں کے اعمال کو بہت زیادہ افضل قرار دے دیا تاکہ یہ بھی زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کر سکیں۔

اس لیے حج کے لیے نہ جانے والے لوگوں کو چاہیے کہ ان دنوں میں خصوصی عبادات کا اہتمام کریں' نوافل ادا کریں' روزے رکھیں' کثرت سے اذکار و دعائیں کریں' صدقہ و خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں' جہاد کے عمل کو مزید تیز کریں اور جو بھی نیکی کا کام کر سکیں ضرور کریں۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریقہ کار تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ

(۱) [أيضا]

(۲) [القواعد الفقهية للدكتور يعقوب بن عبدالوهاب الباحسين]

((فكان سعيد بن جبير رحمه الله تعالى إذا دخل أيام العشر اجتهد اجتهادا شديدا حتى ما يكاد يقدر عليه))

''حضرت سعید بن جبیرؒ جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جاتا تو خوب سعی و جدوجہد سے اعمال صالحہ بجالاتے۔''(۱)

عشرہ ذوالحجہ میں تکبیرات کہنا

ان دنوں میں جہاں دیگر عبادات کا اہتمام کرنا چاہیے وہاں بالخصوص کثرت سے تکبیریں بھی کہنی چاہییں اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ﴾ [الحج : ٢٨]

''اور معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو۔''

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ

((قال ابن عباس وذكروا الله في أيام معلومات " **وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ**" أيام العشر))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ (اس آیت) ''اور اللہ تعالیٰ کا ذکر معلوم دنوں میں کرو'' میں ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔''(۲)

(2) ((عن ابن عمر رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : **ما من أيام أعظم عند الله سبحانه ولا أحب إليه العمل فيهن ' من هذه الأيام العشر؛ فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير والتحميد))**

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے

---

(١) [دارمي (١٧٨١) الترغيب والترهيب (٢/١٩٨)]

(٢) [بخاري (قبل الحديث /٩٦٩) كتاب العيدين : باب فضل العمل في أيام التشريق]

نزدیک کوئی عمل اس قدر پُرعظمت اور پسندیدہ نہیں' جتنا وہ عمل ہے جو ان دس دنوں میں کیا جائے۔ لہٰذا تم ان دنوں میں کثرت سے لا الٰہ الا اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔" (۱)

صحابہ کا معمول

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی کہ جب بھی کسی اجر و ثواب کے کام کا علم ہوتا تو بلا تامل اس پر عمل کے لیے کمربستہ ہو جاتے۔ مذکورہ روایات کے مطابق صحابہ ان دس دنوں میں بآواز بلند تکبیرات کہا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

((و کان ابن عمر رضی الله عنه و أبو هريرة رضی الله عنه يخرجان إلى السوق فی أيام العشر يكبران و يكبر الناس بتكبيرهما))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دس دنوں میں بازار کی طرف نکل جاتے' اور تکبیریں کہتے اور لوگ بھی ان بزرگوں کی تکبیر سن کر تکبیریں کہتے۔" (۲)

قربانی کی نیت ہو تو عشرہ ذوالحجہ میں بال نہ کاٹنا

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأيتم هلال ذی الحجة و أراد أحدكم أن يضحی فليمسك عن شعره و أظفاره))

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔" (۳)

نو ذوالحجہ کے روزے کی فضیلت

((عن أبی قتادة رضی الله عنه قال : سئل رسول الله ﷺ عن صوم يوم

---

(۱) [احمد (۲/۷۵) مسند عبد بن حمید (۸۰۷)]

(۲) [بخاری (قبل الحدیث /۹۶۹) کتاب العیدین : باب فضل العمل فی أيام التشريق]

(۳) [مسلم (۳۶۵۵) كتاب الأضاحی : باب نهی من دخل عليه عشر ذی الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره وأظفاره شيئا ' نسائی (۷/۲۱۱) ابن ماجة (۳۱۴۹) ـ بیہقی (۹/۲۶۶) احمد (۶/۲۸۹)]

عرفة ؟ فقال : " يكفر السنة الماضية والباقية "))

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عرفہ (نو ذوالحجہ) کے روزے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہ مٹادیتا ہے۔''(۱)

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ان لوگوں کے لیے ہے جو حج کے لیے روانہ نہیں ہوئے (یعنی مقام عرفات میں نہیں ہیں) بلکہ اپنے اپنے علاقوں میں ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

(1) ((عن ابن عباس رضى الله عنه قال : أن النبى ﷺ أفطر بعرفة وأرسلت إليه أم الفضل بلبن فشرب))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ میں روزہ افطار کرلیا۔ حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا نے آپ کی طرف دودھ بھیجا تو آپ نے پی لیا۔''(۲)

(2) ((سئل ابن عمر رضى الله عنه عن صوم (يوم) عرفة (بعرفة) قال : حججت مع النبى ﷺ فلم يصمه ' ومع أبى بكر رضى الله عنه فلم يصمه ومع عمر رضى الله عنه فلم يصمه' و مع عثمان رضى الله عنه فلم يصمه ' وأنا لا أصومه' ولا آمر به ' ولا أنهى عنه))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مقام عرفہ میں عرفہ کے دن روزہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا آپ نے اس دن کا روزہ نہ رکھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(۱) [صحيح مسلم (۱۱٦۲) كتاب الصيام : باب استحباب صيام ثلاثه أيام من كل شهر و صوم يوم عرفة]

(۲) [ترمذى (۷٥۰) كتاب الصوم : باب ما جآء فى كراهية صوم يوم عرفة بعرفة]

کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی (حج کیا) انہوں نے بھی یہ روزہ نہ رکھا اور میں بھی (حج کرتے ہوئے) یہ روزہ نہیں رکھتا۔ اور اس کے رکھنے کا حکم بھی نہیں دیتا اور اس سے روکتا بھی نہیں۔" (۱)

علاوہ ازیں جس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

((نهى رسول الله ﷺ عن صوم يوم عرفة بعرفات))

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرفات میں یوم عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔"

وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔(۲)

عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کا فتویٰ:

((ما ذهب إليه الجمهور من أنه يستحب الفطر يوم عرفة بعرفة هو الظاهر' ويدل عليه حديث أبي هريرة رضى الله عنه أن رسول الله ﷺ نهى عن صوم عرفة بعرفة))

"جمہور جس طرف گئے ہیں کہ مقام عرفات میں عرفہ کے دن روزہ چھوڑنا مستحب ہے یہی بات ظاہر ہے اور اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام عرفات میں عرفہ کے روزے سے منع فرمایا ہے۔"(۳)

❋ ❋ ❋

(۱) [ترمذی (۷۵۱) کتاب الصوم : باب ما جآء فی کراهية صوم يوم عرفة بعرفة]

(۲) [ضعيف ابن ماجة (۳۷۸) كتاب الصيام : باب صيام يوم عرفة' ضعيف ابو داود (۴۲۱) سلسلة الأحاديث الضعيفة (۴۰۴)] شیخ البانیؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے لیکن امام حاکمؒ نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ [مستدرك حاكم (۴۳۴/۱)] اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امام ابن خذیمہؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [تلخيص الحبير (۴۰۷/۲)]

(۳) [تحفة الأحوذي (۵۲۰/۳)]

مسائل عیدین

مسائل عیدین

عیدین کا معنی ومفہوم

''عیدین'' لفظ ''عید'' کا تثنیہ ہے جو دراصل باب عَادَ يَعُوْدُ (نصر) سے مشتق ہے۔اس کا معنی ''لوٹنا' یا بار بار لوٹ کر آنے والا دن'' مستعمل ہے۔عیدین سے مراد عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہے۔ان دونوں کا نام اس لیے عید رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دن بار بار خوشی لے کر لوٹتے ہیں۔اس کی جمع'' أعياد '' آتی ہے۔(۱)

کتب سیر کے مطابق یہ عید دوسری ہجری میں مشروع ہوئی۔لیکن بعض حضرات نے یہ مؤقف ظاہر کیا ہے کہ عید ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی۔(۲)

عید کے دن غسل کرنا

حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبی ﷺ كان يغتسل يوم الجمعة ويوم الفطر ويوم النحر))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن، عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔(۴)

---

(۱) [القاموس المحيط (ص/٢٧٤) المنجد (ص/٥٩٠) نيل الأوطار (٥٧٩/٢) تحفة الأحوذى (٩١/٣)]

(۲) [سبل السلام (٦٨٤/٢) الفقه الإسلامى وأدلته (١٣٨٦/٢)]

(۳) [ابن ماجة (١٣١٦) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء فى الاغتسال......] شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[إرواء الغليل (١٤٦)] حافظ بوصیریؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (٤٣١/١)]

(٤) [إرواء الغليل (١٤٦) تلخيص الحبير (٨٠/٢) الدراية (٥/١) ابن ماجة (١٣١٥)]

امام بزارؒ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بزارؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''مجھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کے متعلق کوئی صحیح حدیث یاد نہیں۔(۲)

گو کہ اس معنی میں جتنی روایات مروی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ ضعف بہر حال موجود ہے لیکن دیگر مختلف آثار صحابہ سے ان کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((أنه كان يغتسل يوم الفطر قبل أن يغدو إلى المصلى))

''آپ رضی اللہ عنہ عید الفطر کے دن عید گاہ کی جانب جانے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔''(۳)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ''جو بے حد شدت سے سنت کی پیروی کرتے تھے'' (کے عمل سے) ثابت ہے کہ وہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے غسل کر لیا کرتے تھے۔(۴)

گذشتہ تفصیل اس بات کی متقاضی ہے کہ غسل عیدین میں نبی ﷺ سے تو کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر صحیح ہے لہذا فقدانِ احادیث کے وقت آثار صحابہ پر عمل کر لینا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔(واللہ اعلم)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وجملته أنه يستحب أن يتطهر بالغسل للعيد و كان ابن عمر يغتسل

---

(۱) [كشف الأستار (٦٤٨)] اسے شیخ محمد صبحی حسن حلاقؒ نے توصیح کہا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (٢٩٨/١)] مگر امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[المجمع (١٩٨/٢)]

(۲) [تلخيص الحبير (٨١/٢)]

(۳) [مؤطا (١٧٧/١) كتاب العيدين : باب العمل في غسل العيدين ' الأم للشافعي (٢٦٥/١)] امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المجموع (٦/٥)]

(۴) [زاد المعاد (٤٤٢/١)]

یوم الفطر وروی ذلك عن علی رضی اللہ عنہ؛ وبہ قال علقمة وعروة وعطاء والنخعی والشعبی وقتادة وأبو الزناد ومالك والشافعی وابن المنذر لما روی ابن عباس والفاکه بن سعد أن رسول الله کان یغتسل یوم الفطر والأضحی))

''عید کے لیے غسل کے ذریعے طہارت حاصل کرنا مستحب ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عیدالفطر کے دن غسل کیا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا گیا ہے اور امام علقمہ' امام عروہ' امام عطاء' امام نخعی' امام شعبی' امام قتادہ' امام ابوالزناد' امام مالک' امام شافعی اور امام ابن منذر رحمہم اللہ اجمعین بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ؛ اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ؛ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن غسل کیا کرتے تھے۔'' (۱)

عید کے دن عمدہ لباس پہننا

عید کے دن عمدہ اور بہترین لباس پہننا مستحب ہے۔

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ؛ سے مروی ہے کہ

((أن النبی ﷺ کان یلبس البرد الأحمر فی العیدین وفی الجمعة))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن سرخ چادریں پہنا کرتے تھے۔'' (۲)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ؛ سے مروی ہے کہ

((أن النبی ﷺ کان یلبس برد حبرة فی کل عید))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر عید میں دھاری دار چادریں پہنا کرتے تھے۔'' (۳)

---

(۱) [المغنی (۱۳/ ۲۵۶)]

(۲) [ابن خزیمة (۱۳۲/۳)'(۱۷۶۶) شیخ البانیؒ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں حجاج بن اُرطاۃ راوی ضعیف ہے۔ التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸۵/۱)]

(۳) [طبرانی أوسط (۷۶۰۹)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے رجال ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (۱۹۸/۲)]

(3) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ریشمی لباس بازار میں بکتا ہوا پایا تو اسے پکڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور عرض کیا:

((یا رسول الله! ابتع هذه فتجمل بها للعيد والوفد))

''اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید لیجیے اور اس کے ذریعے عید اور وفد کے لیے خوبصورتی اختیار کیجیے۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما هذه لباس من خلاق له))

''بے شک یہ ایسے شخص کا لباس ہے جس کا (آخرت میں) کوئی حصہ نہیں۔'' (۱)

امام شوکانی رحمہ اللہ کا فتوی:

عیدین میں میسر لباس میں سے سب سے اچھا لباس پہننا اور اسی طرح سب سے عمدہ خوشبو لگانا مسنون و ماثور ہے۔ (۲)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

((ويستحب أن يتنظف ويلبس أحسن ما يجد ويتطيب ويتسوك))

''(عید کے روز) صاف ستھرا بننا، میسر لباس میں سے عمدہ و بہترین لباس پہننا، خوشبو لگانا اور مسواک کرنا مستحب ہے۔'' (۳)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

عیدین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سب سے بہترین لباس پہنتے تھے۔ (٤)

(۱) [بخاری (۹٤۸، ۸۸٦) کتاب الجمعة : باب في العيدين والتجمل فيه، مسلم (۲۰٦۸) أبو داود (۱۰۷٦) نسائی (۹٦/۳)]

(۲) [السيل الجرار (۳۲۰/۱)]

(۳) [المغنی (۲۵۷/۱۳)]

(٤) [زاد المعاد (۱۲۱/۱)]

نماز عید الفطر سے پہلے فطرانہ کی ادائیگی

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((فرض رسول الله زكاة الفطر صاعا من تمر أو صاعا من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين وأمر بها أن تؤدى قبل خروج الناس إلى الصلاة))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے غلام' آزاد' مرد' عورت' بچے اور بوڑھے سب پر صدقہ فطر فرض کیا ہے۔ایک صاع کھجوروں سے یا ایک صاع جو سے۔اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔''(۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں

((فمن أداها قبل الصلاة فهي زكاة مقبولة ومن أداها بعد الصلاة فهي صدقة من صدقات))

''جس نے اسے نماز (عید) سے پہلے ادا کر دیا تو یہ قابل قبول زکوۃ ہوگی اور جس نے نماز کے بعد اسے ادا کیا تو وہ صرف صدقات میں سے ایک صدقہ ہی ہے (یعنی صدقہ فطر نہیں ہوگا)۔''(۲)

معلوم ہوا کہ یہ صدقہ نماز عید کے لیے روانگی سے پہلے ادا کر دینا ضروری ہے اور اگر عید سے ایک' دو دن پہلے ادا کر دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔(۳)

نماز عید سے پہلے کھانا

نماز عید الفطر کے لیے عید گاہ کی طرف جانے سے پہلے کچھ کھا لینا اور نماز عید الاضحیٰ کے

(۱) [بخاری (۱۵۰۳) کتاب الزكاة : باب فرض صدقة الفطر' مسلم (۹۸٤)]

(۲) [أبو داود (۱٦۰۹) کتاب الزكاة : باب زكاة الفطر' ابن ماجة (۱۸۲۷) دارقطنی (۱۳۸/۲) شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[إرواء الغليل (۸٤۳)'(۳۳۲/۳)]

(۳) [المغنی (۳۰۰/٤) فتاوی ابن باز مترجم (۱۲۷/۱)]

لیے جانے سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور نمازِ عیدالفطر سے پہلے کھجوریں کھانا اور طاق عدد میں کھانا بھی مستحب ہے جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((کان النبی ﷺ لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الأضحی حتی یصلی))

''نبی ﷺ عیدالفطر کے دن اس وقت تک نہ نکلتے جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عیدالاضحیٰ کے دن اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک کہ نماز نہ پڑھ لیتے۔''(۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((کان رسول اللہ ﷺ لا یغدوا یوم الفطر حتی یاکل تمرات ......ویاکلھن وترا))

''رسول اللہ ﷺ نمازِ عیدالفطر کے لیے نکلنے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے اور طاق عدد میں کھجوریں کھایا کرتے تھے۔''(۲)

نمازِ عیدین کا حکم

نمازِ عیدین ہر مکلّف شخص پر واجب ہے جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((أمرنا أن نخرج العواتق والحیض فی العیدین یشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین و تعتزل الحیض المصلی))

---

(۱) [ترمذی (۵٤۲) کتاب الصلاۃ : باب ما جاء فی الأکل یوم الفطر قبل الخروج ' ابن ماجۃ (۱۷۵٦) دارمی (۳۷۵/۱) ابن خزیمۃ (۱٤۲٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی (٤٤۷)]

(۲) [بخاری (۹۵۳) کتاب العیدین : باب الأکل یوم الفطر قبل الخروج ' ابن ماجۃ (۱۷۵٤) أحمد (۱۲٦/۳) ابن خزیمۃ (۱٤۲۹)]

''ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تا کہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔(۱)

(2) صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں ''ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (ان خواتین کو) نکالیں......۔''(۲)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جا سکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لتلبسها صاحبتها من جلبابها فليشهدن الخير و دعوة المسلمين))

''اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوں۔''(۳)

(4) کچھ لوگوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر گزشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو

((فأمرهم أن يفطروا وإذا أصبحوا أن يغدو إلى مصلاهم))

''آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ روزہ کھول دیں اور جب صبح ہو تو وہ عیدگاہ کی طرف جائیں۔''(٤)

---

(۱) [بخاری (۹۸۱) كتاب الجمعة : باب اعتزال الحيض المصلى، مسلم (۸۹۰) أبو داود (۱۱۳٦) ترمذی (٥٣٧) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۲) [بخاری (۹۷٤)]

(۳) [بخاری (۹۸۰) كتاب العيدين : باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد]

(٤) [أبو داود (۱۱٥۷) كتاب الصلاة : باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح أبو داود (۱۰۲٦)]

جب حائضہ اور بغیر چادر والی معذور خواتین کو عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو مردوں کو بالاولی حکم ہے۔

بعض حضرات نے اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ سے نماز عید مراد لی ہے لیکن یہ بات راجح نہیں کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور نماز عید مدینہ میں مشروع ہوئی۔(۱)

امام شوکانیؒ کا فتوی:

وجوب کے دلائل نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

((وهذا كله يدل على أن هذه الصلاة واجبة وجوبا مؤكدا على الأعيان لا على الكفاية))

''یہ سب دلائل ثبوت ہیں کہ بے شک یہ نماز (یعنی نماز عید) تاکیدی طور پر فرض عین ہے فرض کفایہ نہیں۔'' (۲)

شیخ البانیؒ کا فتوی:

((فالأمر المذكور يدل على الوجوب وإذا وجب الخروج وجبت الصلاة من باب أولى كما لا يخفى فالحق وجوبها لا سنيتها فحسب ومن الأدلة على ذلك أنها مسقطة للجمعة إذا اتفقتا في يوم واحد كما سبق في كتاب المؤلف قريبا وما ليس بواجب لا يسقط واجبا))

''(حدیث میں) مذکور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے اور جب نکلنا واجب ہے تو نماز بالاولی واجب ہے جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے لہذا اس کا سنت ہونا نہیں بلکہ وجوب ہی برحق ہے۔ اور اس کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نماز جمعہ کو ساقط کر دیتی ہے جبکہ یہ دونوں ایک ہی دن اکٹھے ہو جائیں' جیسا کہ مؤلف کی کتاب میں قریب ہی یہ گزرا ہے' اور جو چیز

---

(۱) [فتح البيان (٥٦٣/٧) أحكام القرآن لابن العربي (١٩٨٦/٤)]

(۲) [السيل الجرار (٣١٥/١)]

(خود) واجب نہ ہو وہ کسی (دوسرے) واجب کو ساقط نہیں کر سکتی۔"(۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وصلاة العيد فرض على الكفاية))

"اور نماز عید فرض کفایہ ہے۔"(۲)

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

"یہ عید سب لوگوں پر واجب ہے۔(۳)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((صلاة العيدين: الفطر والأضحى، كل منهما فرض كفاية، وقال بعض أهل العلم، أنهما فرض عين كال جمعة، فلا ينبغي للمومن تركها))

"نماز عیدین یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نماز) ان میں سے ہر ایک فرض کفایہ ہے اور بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ دونوں جمعہ کی طرح فرض عین ہیں اور کسی مومن کے لیے انہیں چھوڑنا جائز نہیں۔"(٤)

نماز عیدین کا وقت

ان نمازوں کا وقت طلوع آفتاب سے لے کر آفتاب ڈھلنے تک ہے۔

(1) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أنه خرج مع الناس يوم عيد فطر أو أضحى فأنكر إبطاء الإمام وقال إنا كنا قد فرغنا ساعتنا هذه وذلك من التسبيح))

---

(۱) [تمام المنة (ص/٣٤٤)]

(۲) [المغنى (٢٥٣/٣)]

(۳) [مجموع الفتاوى (١٦١/٢٣)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة (٢٨٤/٨)]

''وہ لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے تو انہیں امام کے تاخیر کردینے پر نہایت تعجب ہوا اور انہوں نے کہا کہ بے شک ہم تو اس وقت (نماز پڑھ کے) فارغ ہو چکے ہوتے تھے اور وہ نماز چاشت کا وقت تھا۔'' (۱)

(2) حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((کان النبی ﷺ یصلی بنا یوم الفطر والشمس علی قید رمحین والأضحیٰ علی قید رمح))

''نبی ﷺ عید الفطر اس وقت پڑھتے تھے جب سورج دو نیزوں کے برابر بلند ہوجاتا اور عید الاضحیٰ اس وقت پڑھتے جب سورج ایک نیزے کے برابر ہوتا۔'' (۲)

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

نماز عیدین کے وقت کی تعیین میں سب سے اچھی وارد شدہ حدیث حدیثِ جندب رضی اللہ عنہ ہے۔ (۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے مرسلا روایت کیا ہے کہ

''نبی ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی طرف جو کہ نجران میں تھے خط لکھا کہ عید الاضحیٰ جلدی پڑھا کرو اور عید الفطر کچھ تاخیر سے پڑھا کرو۔'' (٤)

---

(۱) [أبو داود (۱۱۳۵) کتاب الصلاة : باب وقت الخروج إلی العید' إرواء الغلیل (۱۰۱/۳) ابن ماجة (۱۳۱۷) بخاري تعلیقا (۹٦۸) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۱۰٤۰) تمام المنة (ص/۳٤۸) التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸۷/۱)]

(۲) [تلخیص الحبیر (۱٦۷/۲) اس کی سند میں معلّیٰ بن ھلال راوی کذاب ہے اس لیے یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے یہ وضاحت کی ہے۔[التعلیقات الرضیة علی الروضة الندیة (۳۸٦/۱) تمام المنة (ص/۳٤۷)]

(۳) [نیل الأوطار (۵۹۲/۲)]

(٤) [بدائع المنن (۱/۲۷۲۔۱۷۳)' (٤۹۰) اس کی سند میں ابراہیم بن محمد شیخ الشافعی ضعیف ہے۔[الروضة الندیة (۳٦۵/۱)]

اگرچہ ان احادیث میں ضعف ہے لیکن ان سے ماخوذ مسائل پر اتفاق ہے۔(۱)

نمازِ عیدین کا آخری وقت زوالِ آفتاب ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے زوالِ آفتاب کے بعد چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے پر کہا کہ "کل صبح لوگ نمازِ عید کے لیے عیدگاہ پہنچیں۔"(۲)

اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۳)

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ

((وكان يؤخر صلاة عيدالفطر ويعجل الأضحى))

"آپ ﷺ نمازِ عیدالفطر (کچھ) تاخیر سے ادا کرتے تھے اور نمازِ عیدالاضحیٰ جلدی ادا کرتے تھے۔"(۴)

اگر زوالِ آفتاب کے بعد عید کا علم ہو

تو نمازِ عید کے لیے اگلے روز عیدگاہ جانا چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کی دلیل ہے:

((عن أبي عمير بن أنس، عن عمومة له من الصحابة، أن ركبا جاء وا، فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، **فأمرهم النبي ﷺ أن يفطروا، وإذا أصبحوا أن يغدوا إلى مصلاهم**))

"حضرت ابوعمیر بن انس رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک چچا صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ چند سوار آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے کل شام

(۱) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۳۵۷/۲) زاد المعاد (۴۴۲/۱) موسوعة الإجماع في الفقه الإسلامي (۶۵۴/۲)]

(۲) [أبو داود (۱۱۵۷) صحيح أبو داود (۱۰۲۶)]

(۳) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البحر الزخار (۵۵۳۲) نيل الأوطار (۵۹۲/۲) الروضة الندية (۳۶۵/۱)]

(۴) [زاد المعاد (۱۲۱/۱)]

چاند دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ ''روزہ افطار کر دو اور کل صبح نماز عید کے لیے عیدگاہ میں آ جاؤ۔'' (۱)

نماز عید کے لیے کھلے میدان کا انتخاب

(1) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((کان النبی ﷺ یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی))

''نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف باہر نکلتے تھے۔'' (۲)

(2) ایک قافلے نے گذشتہ روز چاند دیکھنے کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ

((وإذا أصبحوا أن یغدوا إلی مصلاهم))

''جب صبح ہو تو وہ عیدگاہ کی طرف نکل آئیں۔'' (۳)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز عید کے لیے مسجد نہیں بلکہ عیدگاہ کو ہی ہمیشہ اختیار فرمایا۔ (٤)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((السنة أن یصلی العید فی المصلی))

''عیدگاہ میں نماز عید ادا کرنا سنت ہے۔'' (۵)

---

(۱) [أبو داود (۱۱۵۷) کتاب الصلاة : باب إذا لم یخرج الإمام للعید من یومه یخرج من الغد' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۱۰۲٦)]

(۲) [بخاری (۹۵٦) کتاب الجمعة : باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر' مسلم (۸۸۹)]

(۳) [أبو داود (۱۱۵۷) کتاب الصلاة : باب إذا لم یخرج الإمام للعید...... ' أحمد (۵۸/۵) نسائی (۱۸۰/۳)]

(٤) [تفصیل کے لیے دیکھیے : الروضة الندیة (۳٦۳/۱) سبل السلام (٦۷۹/۲)]

(۵) [المغنی (۲٦۰/۳)]

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((المشروع أن تؤدى صلاة العيدين فى الفضاء))

''مشروع یہ ہے کہ نماز عیدین فضاء میں ادا کی جائے۔''(۱)

کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں نماز عید کی ادائیگی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أنهم أصابهم مطر فى يوم عيد فصلى بهم النبى ﷺ صلاة العيد فى المسجد))

''ایک عید کے موقع پر لوگوں کو بارش نے آلیا تو نبی ﷺ نے انہیں نماز عید مسجد میں پڑھا دی۔''(۲)

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفا بھی ایسی روایت موجود ہے کہ بارش ہو جائے تو مسجد میں نماز عید پڑھی جا سکتی ہے۔(۳)

اور اس قاعدے کی وجہ سے بھی جواز کا اشارہ ملتا ہے:

((الضرورات تبيح المحظورات))

''ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح بنا دیتی ہیں۔''(٤)

علماء نے اس مسئلے میں اختلاف کیا ہے کہ نماز عید وسیع و کشادہ مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا آبادی سے باہر نکل کر پڑھنا افضل ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

(۱) [فتاوى اللجنة الدائمة (۲۹۱/۸)]

(۲) [أبو داود (۱۱٦۰) كتاب الصلاة : باب يصلى بالناس العيد فى المسجد ......' ابن ماجة (۱۳۱۳) شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[ضعيف أبو داود (۲٤۸)]

(۳) [بيهقى (۳۱۰/۳)]

(٤) [القوانين الفقهية الكبرى للدكتور صالح بن غانم (ص/۲٤۷)]

اگر علاقے کی مسجد ہی وسیع و کشادہ ہو تو مسجد میں پڑھنا افضل ہے کیونکہ اصل مقصود مرد اور خواتین کا اجتماع ہے اور وہ مسجد میں ہی ہو سکتا ہے تو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

آبادی سے باہر نکلنا ہی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ نے اسی پر مداومت اختیار فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آبادی سے باہر نمازِ عید کے متعلق کہا کہ

((لو لا أنه سنة لصليت فى المسجد))

''اگر یہ عمل (یعنی آبادی سے باہر نکل کر نمازِ عید ادا کرنا) سنت نہ ہوتا تو میں مسجد میں نماز پڑھ لیتا۔'' (۱)

امام مالکؒ کا موقف زیادہ مناسب ہے۔(۲)

عورتوں کا عیدگاہ جانا

عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھی' کنواری ہوں یا بیوہ' حائضہ ہوں یا طاہرہ انہیں عیدگاہ کی طرف جانا چاہیے اور کم از کم مسلمانوں کی دعا میں ضرور شرکت کرنی چاہیے ہاں البتہ وہ خواتین جو عدت میں ہیں یا ان کے نکلنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے یا ان کے پاس کوئی عذر ہے تو وہ گھر میں بھی نمازِ عید ادا کر سکتی ہیں۔ خواتین کو بھی عیدگاہ کی طرف نکلنا چاہیے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

((أمرنا أن نخرج العواتق والحيض فى العيدين يشهدن الخير ودعوة المسلمين و تعتزل الحيض المصلى))

---

(۱) [ابن أبي شيبة (۱۸۵/۲) نيل الأوطار (۵۹۱/۲) سبل السلام (۶۸۶/۲) فتح الباری (۱۲۶/۳)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: السیل الجرار (۳۲۰/۱)]

''ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم جوان لڑکیوں اور حائضہ عورتوں کو بھی عیدین میں ساتھ لے کر نکلیں تاکہ وہ بھی مسلمانوں کے امور خیر اور دعاؤں میں شریک ہوں البتہ حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں (یعنی نماز ادا نہ کریں)۔(۱)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((ولا باس بخروج النساء یوم العید إلی المصلی))

''عید کے دن عورتوں کے عیدگاہ کی طرف نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔(۲)

سید سابق رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((یشرع خروج الصبیان والنساء فی العیدین للمصلی من غیر فرق بین البکر والشیب والشابة والعجوز والحائض))

''عیدین میں عیدگاہ کے لیے بچوں اور عورتوں کا نکلنا مشروع ہے بغیر اس فرق کے کہ عورت کنواری ہو یا شوہر دیدہ ہو یا بوڑھی ہو یا جوان ہو یا حائضہ ہو۔''(۳)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((من السنة خروج النساء إلی المصلی فی یوم العیدین))

''عیدین کے دونوں میں خواتین کا عیدگاہ کی طرف نکلنا مسنون ہے۔''(٤)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

''عیدین کی نماز کے لیے عورتوں کا گھر سے باہر جانا مشروع ہے' عورتوں کو اس کی خاص طور پر تاکید کی جائے۔ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ہمیں نماز عید کے لیے جانے

(۱) [بخاری (۹۸۱) کتاب الجمعة : باب اعتزال الحیض المصلی ' مسلم (۸۹۰) أبو داود (۱۱۳۶) ترمذی (۵۳۷) نسائی (۱۸۰/۳)]

(۲) [المغنی (۲٦۳/۳)]

(۳) [فقه السنة (۲٤۱/۱)]

(٤) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸٦/۸)]

کا حکم دیا جاتا تھا' یہاں تک کہ کنواری' بچی اور حائضہ عورت کو بھی ساتھ لے جانے کا حکم تھا۔'' وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر تکبیرات پڑھیں اور ان کی دعاؤں میں شرکت کریں اور اس دن کے فیوض و برکات کی امید رکھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کنواری دوشیزاؤں' باپردہ اور حائضہ عورتوں کو نماز عیدین کے مواقع پر گھروں سے باہر نکالتے۔ جہاں تک حائضہ عورتوں کا تعلق ہے تو وہ عیدگاہ سے الگ رہ کر خیر و برکت اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شرکت کریں۔ اس پر اُم عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو پھر؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کی بہن اسے اپنی چادر پہنا دے۔''(۱)

عورتیں باپردہ ہو کر نکلیں

کیونکہ شریعت نے عورت کو گھر سے باہر نکلتے وقت حجاب کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ﴾ [الأحزاب: ۵۹]

''اے نبی! اپنی بیویوں' اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتیں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں۔''

اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جب ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو اور اس وجہ سے وہ (نماز عید کے لیے) نہ جا سکے تو کیا اس پر کوئی حرج ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا فلیشھدن الخیر و دعوۃ المسلمین))

''اس کی سہیلی اپنی چادر کا ایک حصہ اسے اوڑھا دے اور پھر وہ خیر اور مسلمانوں کی دعا

(۱) [فتاوی برائے خواتین (ص/۱۲۳)]

میں شریک ہوں۔"(۱)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((أن خروج النساء لصلاة العيدين سنة مؤكدة لكن بشرط أن يخرجن متسترات لا متبرجات))

"بلاشبہ عورتوں کا نماز عیدین کے لیے نکلنا سنت مؤکدہ ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ باپردہ ہو کر نکلیں، زیب وزینت ظاہر کر کے نہ نکلیں۔"(۲)

عورتیں خوشبو لگا کر نہ نکلیں

(1) ((عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال : **كل عين زانية والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا يعني زانية.**))

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے اور عورت جب خوشبو لگائے پھر کسی مجلس کے قریب سے گزرے تو وہ اس طرح اور اس طرح ہے یعنی بدکار ہے۔"(۳)

(2) ((عن زينب امرأة عبدالله قالت : قال لنا رسول الله ﷺ "**إذا شهدت إحداكن المسجد فلا تمس طيبا**"))

"حضرت زینب رضی اللہ عنہا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے فرمایا "جب تم میں سے کوئی مسجد میں حاضر ہو تو خوشبو مت لگائے۔"(۴)

---

(۱) [بخاری (۹۸۰) كتاب العيدين : باب إذا لم يكن لها جلباب في العيد]

(۲) [فتاوى اللجنة الدائمة (۲۸۷/۸)]

(۳) [ترمذی (۲۷۸٦) كتاب الأدب : باب ما جاء في كراهية خروج المرأة متعطرة، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

(۴) [مسلم (۹۹۷) كتاب الصلاة : باب خروج النساء إلى المساجد إذا لم يترتب عليه فتنة وأنها لا تخرج مطيبة]

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وإنما يستحب لهن الخروج غير متطيبات ولا يلبسن ثوب شهرة ولا زينة))

''اور بے شک عورتوں کے لیے خوشبو لگائے بغیر نکلنا مستحب ہے اور وہ شہرت یا زینت کا لباس بھی مت پہنیں۔'' (۱)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

واضح رہے کہ نماز عید کے لیے جاتے وقت عورتوں کو خوشبو اور فتنہ انگیز زیب وزینت سے اجتناب کرتے ہوئے انتہائی سادگی کے ساتھ مردوں سے الگ الگ رہنا چاہیے۔ (۲)

بچوں کو عیدگاہ لے کر جانا

جائز اور درست ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے کہ

((باب خروج الصبيان إلى المصلى))

''باب بچوں کو عیدگاہ لے کر جانا''

اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((عن ابن عباس رضي الله عنه قال : خرجت مع النبي ﷺ يوم فطر أو أضحى فصلى العيد ثم خطب ثم أتى النساء فوعظهن وذكرهن وأمرهن بالصدقة))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ نکلا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھی پھر عورتوں کی طرف آئے اور انہیں وعظ ونصیحت کیا اور صدقہ کا حکم دیا۔'' (۳)

---

(۱) [المغنی (۳/۲٦۵)]

(۲) [فتاوی برائے خواتین (ص/۱۲۳)]

(۳) [بخاری (۹۷۵) کتاب العیدین : باب خروج الصبيان إلى المصلى]

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((لا یمنع الأولاد من الحضور إلی مصلی العید إذا کانوا سبع سنین فأکثر لقوله " **مروا أبنائکم بالصلاۃ لسبع واضربوهم علیها لعشر وفرقوا بینهم فی المضاجع**))

''بچوں کو عیدگاہ میں حاضر ہونے سے نہ روکا جائے جبکہ وہ سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہوں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور انہیں دس سال کی عمر میں مارو اور ان کے بستر علیحدہ کر دو۔'' (۱)

عیدگاہ کی طرف پیدل جانا

(1) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((من السنة أن یخرج إلی العید ما شیا))

''عیدگاہ کی جانب پیدل چل کے جانا سنت ہے۔'' (۲)

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں عام لفظ ہیں:

((إذا نودی بالصلاۃ فاتوها وأنتم تمشون))

''جب تمہیں نماز کے لیے آذان دی جائے تو تم اس کی طرف چلتے ہوئے آؤ۔'' (۳)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) [فتاوی اللجنة الدائمة (۲۸۹/۸)]

(۲) [ترمذی (۵۳۰) کتاب الجمعة : باب ما جاء فی المشی یوم العید' ابن ماجة (۱۲۹٦) شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی (٤۳۷)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ہے جسے امام نوویؒ نے بالاتفاق کذاب کہا ہے لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔ خلاصة الأحکام (۸۲۲/۲) نیل الأوطار (۵۸۲/۲)]

(۳) [مسلم (۹٤٦) کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ : باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار و سکینه]

((والعمل علی هذا الحدیث عند أكثر أهل العلم يستحبون أن يخرج الرجل إلى العيد ماشيا وألا يركب إلا من عذر))

''اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ وہ عید کے لیے مردوں کا پیدل جانا پسند کرتے ہیں اور یہ کہ کوئی بھی بغیر عذر کے سوار نہ ہو۔'' (۱)

امام بخاریؒ نے یہ باب قائم کیا ہے

((المشي والركوب إلى العيد......))

''عید کے لیے پیدل چلنا اور سوار ہو کر جانا......'' (۲)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ

شاید امام بخاریؒ نے اس باب کو قائم کر کے نماز عید کے لیے چل کر جانے کے استحباب میں وارد احادیث کی تضعیف کی طرف اشارہ کیا ہے (یعنی امام بخاریؒ عید کے لیے چل کر جانا اور سوار ہو کر جانا دونوں طرح جائز سمجھتے ہیں)۔(۳)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ

راجح قول وہی ہے جسے اکثر اہل علم نے اختیار کیا ہے (یعنی چل کر جانا مستحب ہے)۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

عیدین میں مسنون افعال میں سے پیدل چل کر جانا بھی ہے۔(٤)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیریں کہنا

عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیریں کہنی چاہییں جیسا کہ مندرجہ ذیل

(۱) [ترمذی (۵۳۰)]
(۲) [بخاری (۹۵۷)]
(۳) [فتح الباری (۱۲۷/۳۔ ۱۲۸)]
(٤) [السیل الجرار (۳۲۰/۱)]

دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے:

(1) ایک روایت میں ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ كان يخرج يوم الفطر فيكبر حتى ياتي المصلى وحتى يقضى الصلاة فاذا قضى الصلاة قطع التكبير))

''بے شک رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کے دن تکبیریں کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جاتے۔ نماز ادا کر لینے تک یہ سلسلہ جاری رکھتے اور جب نماز ادا کر لیتے تو تکبیریں کہنا چھوڑ دیتے۔'' (۱)

(2) ((عن ابن عمر رضى الله عنهما أنه كان يغدو يوم العيد ويكبر ويرفع صوته حتى يبلغ الإمام))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عید کے دن تکبیریں کہتے ہوئے روانہ ہوتے اور اپنی آواز بلند رکھتے حتی کہ امام پہنچ جاتا (تو تکبیریں کہنا چھوڑ دیتے)۔'' (۲)

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((ويكبر فى طريق العيد ويرفع صوته بالتكبير))

''اور عید کے راستے میں تکبیر کہے اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے۔'' (۳)

تکبیرات کی ابتدا اور انتہا

عیدالفطر میں شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے نماز عیدالفطر کی ادائیگی تک تکبیریں کہنی چاہییں اور عیدالاضحیٰ میں 9 ذوالحجہ سے لے کر 13 ذوالحجہ کی شام تک تکبیریں کہنی چاہییں۔ جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

---

(۱) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (۱۷۱)' (۱۱۹/۲)]

(۲) [سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني (۱۷۱)' (۱۲۱/۲)]

(۳) [المغنى (۲٦۲/۳)]

(1) ((عن ابن عباس قال : حق على الصائمين إذا نظروا إلى شهر شوال أن يكبرو الله حتى يفرغوا من عيدهم لأن الله يقول " **وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ** ")) [البقرة : ١٨٥]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''ماہ شوال (کا چاند) دیکھنے کے بعد روزے داروں پر لازم ہے کہ وہ تکبیریں کہیں اور عید سے فارغ ہونے تک تکبیریں کہتے رہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں'' تاکہ تم (ماہ رمضان کے روزوں کی) گنتی پوری کرلو اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو۔''(١)

(2) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَعْدُوْدَاتٍ﴾ [البقرة :٢٠٣]

''اور گنتی کے چند دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''ایام معدودات سے مراد ایام تشریق ہیں۔''(٢)

امام شوکانیؒ بیان کرتے ہیں کہ

''ان دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔''(٣)

امام ابن تیمیہؒ کا فتویٰ:

''عید الفطر میں چاند دیکھ کر تکبیریں شروع کرنی چاہییں اور نماز عید سے فارغ ہونے پر چھوڑنی چاہییں۔''(٤)

(١) [تفسیر فتح القدير (٢٤٢/١)]

(٢) [بخاری (٩٦٩)]

(٣) [السيل الجرار (٣٢٠/١)]

(٤) [مجموع الفتاوى (٢٢١/٢٤)]

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((لا نعلم دعاء خاصا يشرع للمسلمين في صلاة العيد' أو يومه ولكن يشرع للمسلمين و التسبيح و التهليل و التحميد في ليلتي العيدين وصباح يومهما إلى انتهاء الخطبة من يوم عيدالفطر' وإلى انتهاء أيام تشريق في يوم عيد النحر))

''ہمیں کسی خاص دعا کا علم نہیں جو نماز عید میں یا عید کے دن میں مسلمانوں کے لیے مشروع ہو لیکن مسلمانوں کے لیے تسبیح، تہلیل اور تحمید بیان کرنا عیدین کی دو راتوں میں مشروع ہے اور ان دونوں عیدوں میں سے ایک یعنی عید الفطر کے دن صبح کو خطبہ کے اختتام تک اور عید الاضحیٰ میں ایام تشریق کے اختتام تک (تکبیریں کہنی چاہییں)۔''(۱)

تکبیرات کے الفاظ

(1) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں یہ لفظ ہیں:

'' اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ''

[بيهقي في السنن الكبرى (۳۱٦/۳) نيل الأوطار (٦٢١/٢)]

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ لفظ ہیں:

'' اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ' اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ''(۲)

(3) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں:

'' اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ''(۳)

---

(۱) [فتاوى اللجنة الدائمة (۳۰۲/۸)]

(۲) [ابن أبي شيبة (٤٨٩/١) الكنى للدولابي (١٢٤/١)]

(۳) [تمام المنة (ص/۳٥٦) إرواء الغليل (١٢٥/٣) نيل الأوطار (٦٢١/٢) ابن أبي شيبة (٤٨٨/١) طبراني (٣٥٥/٩)]

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ

”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی الفاظ کہنے چاہییں۔“(۱)

کیا عورتیں بھی تکبیریں کہیں گی؟

حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ

(1) ((کنا نومر أن نخرج الحیض فیکبرن بتکبیرھم))

”ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم (عید کے روز) حائضہ عورتوں کو بھی نکالیں تا کہ وہ بھی تکبیرات کہنے میں لوگوں کی شریک ہوں۔“(۲)

(2) ((وکانت میمونة رضی اللہ عنها تکبر یوم النحر وکن النساء یکبرن خلف أبان بن عثمان وعمر بن عبدالعزیز لیالی التشریق مع الرجال فی المسجد))

”اور اُم المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا دسویں تاریخ میں تکبیریں کہتی تھیں اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے مسجد میں مردوں کے ساتھ تکبیریں کہا کرتی تھیں۔“(۳)

نماز عید کے لیے آذان اور اقامت نہیں

(1) حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((صلیت مع النبی ﷺ العید غیر مرة ولا مرتین بغیر أذان ولا إقامة))

”میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز عید ایک مرتبہ یا دو مرتبہ نہیں (بلکہ کئی مرتبہ) بغیر

(۱) [الأم (۱/۱ ٤ ۰ ۱) المجموع (٤٧/٥) المبسوط (٤٣/٢) الهداية (٨٧/١) المغنی (۲۹۰/۳) بداية المجتهد (۱۷٤/۱)]

(۲) [بخاری (۲۹۸۔ البغا)]

(۳) [بخاری (قبل الحدیث / ۹۷۰)]

آذان واقامت کے پڑھی۔“ (۱)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

”عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن آذان نہیں کہی جاتی تھی۔“ (۲)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

((ولا نعلم فی هذا خلافا))

”اور ہمیں اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں (کہ نماز عیدین کے لیے آذان واقامت نہیں)۔“ (۳)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز عید کے لیے آذان اور اقامت تو مشروع نہیں لیکن اس کے لیے ” الصلاة جامعة “ کے الفاظ کہے جاسکتے ہیں۔تو یاد رہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اس لیے انہیں نہ اپنانا ہی بہتر ہے۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتوی:

((إن النداء للعيد بدعة بأی لفظ كان ' والله أعلم))

”عید کے لیے کسی بھی لفظ کے ساتھ نداء کرنا یقیناً بدعت ہے۔(واللہ اعلم)(٤)

نماز عید سے پہلے یا بعد میں کوئی نفل نماز نہیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبی ﷺ صلی یوم العيد ركعتين لم يصل قبلهما ولا بعدهما))

---

(۱) [مسلم (۸۸۷) كتاب صلاة العيدين ' أحمد (۹۱/۵) أبو داود (۱۱٤۸) ترمذی (۵۳۲)]

(۲) [بخاری (۹۵۹ ' ۹٦۰) كتاب الجمعة : باب المشی والركوب إلى العيد...... ' مسلم (۷۷٦)]

(۳) [المغنی (۲٦۷/۳)]

(٤) [حاشیه فتح الباری للشیخ ابن باز (٤۵۲/۲)]

''نبی ﷺ نے عید کے روز دو رکعت نماز پڑھائی جبکہ ان دو رکعتوں سے پہلے اور بعد میں کوئی نماز نہیں پڑھی۔''(۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((یکرہ التنفل قبل صلاۃ العید و بعدھا للامام و المأموم فی موضع الصلاۃ سواء کان فی المصلی أو المسجد وھو مذھب ابن عباس و ابن عمرؓ وروی ذلک عن علی و ابن مسعود و حذیفۃ و بریدۃ و سلمۃ بن الاکوع ' و جابر و ابن أبی أوفی وقال بہ شریح و عبداللہ بن مغفل و الشعبی و مالک و الضحاک و القاسم و سالم و معمر و ابن جریج و مسروق وقال الزھری : لم اسمع أحدا من علمائنا یذکر أن أحدا من سلف ھذہ الأمۃ کان یصلی قبل تلک الصلاۃ و لا بعدھا یعنی صلاۃ العید))

''نماز عید سے پہلے اور اس کے بعد میں امام اور مقتدی دونوں کے لیے نماز کی جگہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ عیدگاہ میں ہوں یا مسجد میں۔ اور یہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے اور حضرت علی' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت بریدہ' حضرت سلمہ بن اکوع' حضرت جابر' حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شریح' امام عبداللہ بن مغفل' امام شعبی' امام مالک' امام ضحاک' امام قاسم' امام سالم' امام معمر' امام ابن جریج اور امام مسروق رحمہم اللہ اجمعین نے بھی یہی بات کہی ہے۔ اور امام زہریؒ نے کہا ہے کہ میں نے اپنے علماء میں سے کسی کو ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا کہ اس امت کے سلف میں سے کوئی اس نماز سے پہلے نماز پڑھتا ہو اور نہ (ہی یہ سنا کہ) اس کے

(۱) [بخاری (۹۸۹) کتاب الجمعۃ : باب الصلاۃ قبل العید و بعدھا ' مسلم (۸۸۴) أبو داود (۱۱۵۹) ترمذی (۵۳۷) ابن ماجۃ (۱۲۹۱) نسائی (۱۹۳/۳) أحمد (۳۵۵/۱) ابن الجارود (۲۶۱) شرح السنۃ (۶۰۹/۲) ابن خزیمۃ (۳۴۵/۲)]

بعد پڑھتا ہو یعنی نماز عید کے۔''(۱)

نماز عید کے بعد گھر جا کر نماز

عیدگاہ میں تو سوائے دو رکعت کے کوئی نماز پہلے یا بعد میں پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں البتہ عیدگاہ سے فارغ ہونے کے بعد گھر جا کر دو رکعتیں پڑھی جا سکتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال كان رسول الله ﷺ لا يصلي قبل العيد شيئا فإذا رجع إلى منزله صلى ركعتين))

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ''نبی ﷺ عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹتے تو دو رکعت نماز ادا فرما لیتے تھے۔''(۲)

عیدگاہ میں امام کے سامنے سترہ رکھنا

(1) ((عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : كان النبي ﷺ يغدو إلى المصلى والعنزة بين يديه تحمل وتنصب بالمصلى بين يديه فيصلي إليها))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عیدگاہ جاتے تو برچھا (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) آپ ﷺ کے آگے آگے لے جایا جاتا تھا پھر یہ عیدگاہ میں آپ ﷺ کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ ﷺ اس کی آڑ میں

---

(۱) [المغني (۲۸۰/۳)]

(۲) [ابن ماجة (۱۲۹۳) كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جآء في الصلاة قبل صلاة العيد وبعدها' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجة (۱۰۶۹)] حافظ بوصیریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (۴۲۳/۱)] اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔[فتح الباري (۱۵۹/۳)]

نماز پڑھتے۔"(۱)

(2) ((عن ابن عمر رضی الله عنه أن النبی ﷺ كان تركز له الحربة قدامه يوم الفطر و النحر ثم يصلی))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے لیے برچھی آگے آگے اٹھائی جاتی اور وہ عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑدی جاتی آپ اسی کی آڑ میں نماز پڑھتے۔"(۲)

نماز عید کی رکعتیں

نماز عید کی دو رکعتیں ہیں:

(1) ((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: "أن النبی ﷺ خرج يوم الفطر فصلی ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها ومعه بلال))

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن نکلے اور (عیدگاہ) میں دو رکعت نماز عید پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اس سے پہلے نفل نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے۔"(۳)

(2) ((عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال : صلاة الأضحى ركعتان وصلاة الفطر ركعتان وصلاة المسافر ركعتان وصلاة الجمعة ركعتان تمام غير قصر على لسان النبی ﷺ))

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا عیدالاضحیٰ کی نماز دو

(۱) [بخاری (۹۷۳) كتاب العيدين : باب حمل العنزة أو الحربة بين يدی الإمام يوم العيد]

(۲) [بخاری (۹۷۲) كتاب العيدين : باب الصلاة الى الحربة]

(۳) [بخاری (۹۸۹) كتاب العيدين : باب الصلاة قبل العيد وبعدها]

رکعتیں ہے اور عید الفطر کی نماز دو رکعتیں ہے اور مسافر کی نماز دو رکعتیں ہے اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہے۔ یہ نماز کم نہیں بلکہ مکمل ہے نبی ﷺ کی زبان کے مطابق۔''(۱)

نماز عید کی قراءت

(1) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ عیدین میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْأَعْلٰی'' اور ''هَلْ أَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ'' کی قراءت کرتے تھے۔(۲)

(2) حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز میں ''قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ'' اور ''اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ'' کی قراءت فرماتے۔(۳)

نماز میں تکبیرات زائدہ

پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہی جائیں گی جیسا کہ دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

((التکبیر فی الفطر سبع فی الأولی وخمس فی الأخری والقراءة بعدهما کلتیهما))

''عید الفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی

---

(۱) [نسائی (۱۵٦۷) کتاب صلاة العیدن : باب عدد صلاة العیدین' شیخ البانیؒ نے صحیح کہا ہے۔[صحیح نسائی (۱٤۷٥)]

(۲) [مسلم (۸۷۸) کتاب الجمعة : باب ما یقرأ فی صلاة الجمعة' أبو داود (۱۱۲۲) ترمذی (٥۳۳) نسائی (۱٤۲٤)]

(۳) [مسلم (۸۹۱) کتاب صلاة العیدین : باب ما یقرأ فی صلاة العیدین' مؤطا (۱۸۰/۱) أحمد (۲۱۷/٥) أبو داود (۱۱٥٤)]

جائیں گی اور قراءت ان دونوں کے بعد کی جائے گی۔" (۱)

(2) حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عیدین کی پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔" (۲)

(3) حضرت سعد القرظ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے۔ (۳)

امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہی جائیں۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، امام زہریؒ،

---

(۱) [أبو داود (۱۱۵۱) کتاب الصلاة : باب التکبیر فی العیدین' ابن ماجة (۱۲۷۸) أحمد (۱۸۰/۲) ابن الجارود (۲۶۲) دارقطني (۴۸/۲) شرح معاني الآثار (۳۹۹/۲) بیهقي (۲۸۵/۳) شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۱۰۲۰)] امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [العلل الكبير (ص/۹۳-۹۴)'(۱۵۴)] شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے شواہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔[التعليق على سبل السلام (۶۷۹/۲)]

(۲) [ترمذی (۵۳۶) کتاب الجمعة : باب ما جاء في التكبير في العيدين' ابن ماجة (۱۲۷۹) ابن خزيمة (۱۴۳۸) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی (۴۴۲)] اگرچہ اس حدیث کی سند میں کثیر بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔ [ميزان الاعتدال (۴۰۶/۳) لیکن شواھد کی وجہ سے قوی و مضبوط ہو جاتی ہے۔[المجموع للنووي (۱۶/۵)]

(۳) [ابن ماجة (۱۲۷۷) کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها : باب ما جاء في كم يكبر الإمام في صلاة العيدين' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجة (۱۰۵۵) شیخ محمد صبحی حسن حلاق نے شواھد کی وجہ سے اسے صحیح کہا ہے۔ [التعليق على سبل السلام (۲۳۴/۳)]

امام مکحولؒ، امام اوزاعیؒ اور امام اسحاقؒ وغیرہ سے بھی یہی موقف مروی ہے۔(۱)

اس مسئلے میں فقہاء کے دس مختلف اقوال ہیں جیسا کہ امام شوکانیؒ نے اپنی معروف کتاب ''نیـــل الأوطـــار'' میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں تفصیل کا طالب ان کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔(۲)

امام شوکانیؒ کا فتوی:

پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات اور دوسری میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیروں کے متعلق فرماتے ہیں کہ

((وھو أولی ما عمل به))

''یہی زیادہ بہتر ہے جس کے مطابق عمل کیا جائے۔''(۳)

امام صنعانیؒ اور صدیق حسن خانؒ نے بھی اسی مؤقف کو ترجیح دی ہے۔(٤)

ہر دو تکبیروں کا درمیانی فاصلہ

ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک معتدل آیت کے برابر ٹھہرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قولاً اور فعلاً اسی طرح مروی ہے

((أن بین کل تکبیرتین قدر کلمة))

''ہر دو تکبیروں کے درمیان ایک کلمے کی مقدار کے برابر فاصلہ ہونا چاہیے۔''(٥)

---

(۱) [المجموع (۲۰/٥) الأم (۳۹٥/۱) المغنی (۲۷۰/۳) البدائع (۲۷۷/۱) المبسوط (٤۰/۲) الهدایة (۸٦۳۱) بدایة المجتهد (۱۷۱۳۱)]

(۲) [نیل الأوطار (٦۰۰/۲-٦۰۱)]

(۳) [نیل الأوطار (٦۰۱/۲)]

(٤) [سبل السلام (٦۸۱/۲) الروضة الندیة (۳٥۸/۱)]

(٥) [رواه الطبرانی فی المجمع الزوائد (۲۰٥/۲) یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمائی ہے۔ [تلخیص الحبیر (۸٥/۲)]

تکبیرات عیدین کا حکم

بعض حضرات ان کی فرضیت کے قائل ہیں جبکہ ان کے علاوہ اکثر کے نزدیک عیدین کی تکبیریں سنت ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تکبیر چھوڑے گا تو سجدہ سہو کرے گا۔ جبکہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ ایسے شخص پر کوئی سجدہ سہو نہیں۔

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((والتكبيرات والذكر بينهما سنة وليس بواجب' ولا تبطل الصلاة بتركه عمدا ولا سهوا ولا أعلم فيه خلافا فان نسى التكبير وشرع فى القرائة لم يعد إليه))

"تکبیرات (نماز عیدین) اور ان کے درمیان ذکر سنت ہے واجب نہیں۔ نہ تو جان بوجھ کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوگی اور نہ ہی بھول کر اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم بھی نہیں۔ اگر کوئی تکبیر بھول جائے اور قراءت شروع کر دے تو دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔" (۱)

نواب صدیق حسن خانؒ کا فتوی:

((والحاصل أنه سنة لا تبطل الصلاة بتركه عمدا ولا سهوا))

"اور حاصل یہ ہے کہ یہ (تکبیر) سنت ہے جان بوجھ کر یا بھول کر اس کے چھوڑنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔" (۲)

امام شوکانیؒ کا فتوی:

((والظاهر عدم وجوب التكبير كما ذهب إليه الجمهور لعدم وجدان

(۱) [المغنى (۲۷۵/۳)]

(۲) [الروضة الندية (۳٦۱/۱)]

دلیل یدل علیه))

”اور ظاہر یہ ہے کہ تکبیریں کہنا واجب نہیں جیسا کہ جمہور اسی کے قائل ہیں کیونکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو۔“(۱)

اگر کسی کو تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((وإذا شك في عدد التكبيرات بنى على اليقين))

”اور جب تکبیرات کے عدد میں شک ہو جائے تو یقین پر بنیاد رکھے (یعنی جتنی تکبیروں کا یقین ہو اتنی شمار کر لے)۔“(۲)

تکبیرات عیدین کے ساتھ رفع الیدین

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما (عید کی) ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے جیسا کہ امام ابن قیمؒ نے یہ بات نقل فرمائی ہے۔(۳)

اس اثر کے متعلق شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ

((لم أجده إلى الآن)) ”ابھی تک ایسا کوئی اثر مجھے نہیں ملا۔“

اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

((لم أسمع فيه شيئا)) ”اس کے متعلق میں نے کچھ نہیں سنا۔“(۴)

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ اور امام عطاؒ فرماتے ہیں کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع

(۱) [نيل الأوطار (۲/۲۰۲)]

(۲) [المغنى (۳/۲۷٦)]

(۳) [زاد المعاد (۱/٤٤۳)]

(٤) [تمام المنة (ص/۳٤۹) إرواء الغليل (٦٤۰) المجموع (٥/٢٦) المدونة الكبرى (۱/۱٦۹)]

الیدین کیا جائے گا جبکہ امام مالکؒ، امام ابن حزمؒ اور امام ثوریؒ کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی تکبیر میں رفع الیدین نہ کیا جائے۔(۱)

شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ

یہ عمل مسنون نہیں ہے نیز کسی صحابی کا عمل کسی کام کو سنت نہیں بنا سکتا۔(۲)

البتہ جو لوگ تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے قائل ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((ویرفعهما في كل ركعة وتكبيرة كبرها قبل الركوع))

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت اور ہر اس تکبیر میں دونوں ہاتھ اٹھاتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے کہتے۔''(۳)

ہمارے علم کے مطابق عیدین کی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا کسی صحیح حدیث واثر سے ثابت نہیں اور مذکورہ روایت بھی اس مسئلے میں واضح دلیل نہیں۔(واللہ اعلم)(٤)

جو تشہد میں امام سے ملے وہ کیا کرے؟

ایسے شخص کو چاہیے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر نماز عید کے طریقے کے مطابق دو رکعت نماز ادا کر لے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں مطلق طور پر ذکر ہے کہ امام کے ساتھ جتنی نماز ملے وہ پڑھ لینی چاہیے اور جو رہ جائے اسے بعد میں پورا کر لینا چاہیے۔

(۱) [الأوسط لابن المنذر (٢٨٢/٤) المدونة الكبرى (١٦٩/١) المحلى (٨٣/٥) المجموع (٢١/٥)]

(۲) [تمام المنة (ص/٣٤٩)]

(۳) [أبو داود (٧٢٢) أحمد (١٣٤/٢) دارقطني (٢٨٩/١) المنتقى لابن الجارود (١٧٨) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[إرواء الغليل (١١٣/٣)]

(٤) [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاوى الدين الخالص (٨٨/٤ ـ ٩٠)]

((عن أبی هريرة عن النبی ﷺ قال إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار ولا تسرعوا فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا))

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو اور سکون اور وقار کو لازم پکڑو اور جلدی مت کرو۔ پس جو تم پالو وہ نماز پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔" (۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وإن أدرك الإمام فی التشهد جلس معه فإذا سلم الإمام قام فصلى ركعتين ياتی فيهما بالتكبير لأنه أدرك بعض الصلاة التی ليست مبدلة من أربع فقضاها على صفتها كسائر الصلوات))

"اگر کوئی امام کو تشہد میں پائے تو اس کے ساتھ بیٹھ جائے اور جب امام سلام پھیر دے تو کھڑا ہو جائے اور دو رکعتیں ادا کرے اور ان رکعتوں میں تکبیریں بھی کہے کیونکہ اس نے ایسی نماز کا کچھ حصہ پایا ہے جو چار رکعتوں کے بدلے میں لی ہوئی نہیں ہے تو ساری نمازوں کی طرح اس کے طریقے کے مطابق ہی اسے پورا کر لے۔" (۲)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((من أدرك التشهد فقط مع الإمام من صلاة العيدين أو صلاة الاستسقاء، صلى بعد سلام الإمام ركعتين يفعل فيهما كما فعل الإمام من تكبير وقراءة وركوع وسجود))

"جو شخص نماز عیدین یا نماز استسقاء میں امام کے ساتھ صرف تشہد حاصل کر سکے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد دو رکعت ادا کر لے' ان دونوں رکعتوں میں اسی طرح تکبیر

(۱) [بخاری (٦٣٦) كتاب الآذان : باب لا يسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة والوقار]

(۲) [المغنی (٢٨٥/٣)]

قراءت، رکوع اور سجدے کرے جیسے امام نے کیے۔" (١)

امام نماز کے بعد خطبہ دے

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر يصلون العيد قبل الخطبة))

"رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبے سے پہلے نماز عید ادا فرماتے تھے۔" (٢)

(2) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی معنی میں حدیث مروی ہے کہ

((فكلهم كانوا يصلون قبل الخطبة))

"یہ سب لوگ خطبے سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔" (٣)

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ

((خرج يوم الفطر فصلى قبل الخطبة))

"عید الفطر کے دن باہر نکلے اور آپ نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی۔" (٤)

(4) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لیے عیدگاہ تشریف لے جاتے

((وأول شيئ يبدأ به الصلاة))

---

(١) [فتاوى اللجنة الدائمة (٣٠٧/٨)]

(٢) [بخاري (٩٦٣) كتاب الجمعة : باب الخطبة بعد العيد، مسلم (٨٨٨) ترمذى (٥٣١) ابن ماجة (١٢٧٦) بيهقى (٢٩٦/٣) أحمد (١٢/٢)]

(٣) [بخاري (٩٦٢) أيضا، مسلم (٨٨٤) أبو داود (١١٤٧) ابن ماجة (١٢٧٤) أحمد (٢٢٧/١) ابن خزيمة (١٤٥٨)]

(٤) [بخاري (٩٥٨) كتاب الجمعة : باب المشي والركوب إلى العيد......، مسلم (٨٨٥) أبو داود (١١٤١) ابن خزيمة (١٤٥٩)]

''اور پہلی چیز جس کا آپ ﷺ آغاز فرماتے وہ نماز ہوتی۔''

ادائیگی نماز کے بعد رخ پھیر کر لوگوں کی طرف کھڑے ہوتے' لوگ اس وقت اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے اور آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے اور نیکی کا حکم کرتے۔'' (۱)

معلوم ہوا کہ آپ ﷺ خطبہ نماز عید کے بعد ارشاد فرماتے اور خطبے میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی ہے کہ آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی ''پھر آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور آپ نے اللہ کا تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا' اطاعت کی ترغیب دلائی' لوگوں کو وعظ و نصیحت کی' پھر آپ چلے حتی کہ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں بھی وعظ و نصیحت کیا۔'' (۲)

سب سے پہلے جس شخص نے نماز عید سے پہلے خطبہ دے کر سنت کی مخالفت کی تھی وہ مروان (اموی خلیفہ) تھا یہی وجہ ہے کہ اسی وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تھا:

((یا مروان خالفت السنة)) ''اے مروان! تو نے سنت کی مخالفت کی ہے۔''......(وہ اس طرح کہ) تو نے نماز سے پہلے خطبہ شروع کر دیا ہے۔(۳)

علاوہ ازیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ

((أول من أحدث الخطبة قبل الصلاة فى العيد معاوية))

''نماز عید سے پہلے خطبہ جس شخص نے سب سے پہلے شروع کیا تھا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (٤)

---

(۱) [بخاری (۹٥٦) كتاب الجمعة : باب الخروج إلى المصلى بغير منبر ' مسلم (۸۸۹) نسائی (۱۸۷/۳) أحمد (۳٦/۳) أبو يعلى (۱۳٤۳)]

(۲) [مسلم (۸۸٥) كتاب صلاة العيدين ' نسائی (۱۸٦/۳)]

(۳) [مسلم (٤٩) كتاب الإيمان : باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان...... ' أبو داود (۱۱٤۰ ' ٤۳٤۰) ترمذی (۲۱۷۲)]

(٤) [عبدالرزاق (٥٦٤٦)]

امام شوکانیؒ کا فتوی:

نماز خطبے سے پہلے ادا کی جائے۔(۱)

خطبہ عید کا حکم

حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی تو فرمایا

((إنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب))

''یقیناً ہم خطبہ دیں گے پس جو خطبے کے لیے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔''(۲)

نماز عید کا صرف ایک خطبہ ہے

گذشتہ تمام احادیث جن میں خطبے کا ذکر ہے وہ سب اس کی دلیل ہیں کیونکہ ان میں محض خطبہ دینے کا ہی ذکر ہے جو ایک مرتبہ خطبہ دینے کی تو دلیل ہے لیکن دو خطبوں کے لیے کوئی واضح دلیل ہونی چاہیے جو کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تاہم اس ضمن میں چند ضعیف روایات موجود ہیں جن میں سے ایک مندرجہ ذیل ہے:

((عن سعد بن أبي وقاص: أن النبي ﷺ صلى العيد بغير أذان ولا إقامة، و كان يخطب خطبتين قائما يفصل بينهما بجلسة))

''حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم آذان اور اقامت کے بغیر نماز عید پڑھاتے اور کھڑے ہو کر دو خطبے دیتے اور ان دونوں کے

(۱) [نيل الأوطار (۵۹۳/۲)]

(۲) [أبو داود (۱۱۵۵) كتاب الصلاة : باب الجلوس للخطبة ' ابن ماجة (۱۲۹۰) نسائي (۱۸۵/۳) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح أبو داود (۱۰۲٤)]

درمیان بیٹھ کر فاصلہ کرتے۔'' (۱)

خطبہ عید کو جمعہ کے خطبوں پر قیاس کرنا بھی کسی طور پر درست نہیں کیونکہ عبادات میں قیاس کا دخل نہیں۔

جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے مرد حضرات کو خطبہ دینے کے بعد خواتین کے پاس جا کر انہیں وعظ و نصیحت کیا اس سے بھی دوسرے خطبے کی مشروعیت کے لیے دلیل پکڑنا درست نہیں کیونکہ دوسری روایت میں یہ وضاحت ہے کہ

((ثم خطب فرآی أنه لم یسمع النسآء فأتاهن و ذکرهن))

''پھر آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور آپ ﷺ نے یہ خیال کیا کہ آپ عورتوں کو نہیں سنا سکے لہذا آپ ان کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی۔'' (۲)

حافظ عبدالمنان نوری پوری کا فتویٰ:

عیدین کا ایک خطبہ تو رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ سے ثابت ہے البتہ عیدین کے لیے دو خطبے رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، دو خطبے والی کوئی ایک روایت بھی درجہ احتجاج وقبول تک نہیں پہنچتی۔ رہا عدد میں خطبہ عیدین کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا تو اس کی شرعاً کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ (واللہ اعلم)

مزید فرماتے ہیں کہ (درج بالا احادیث میں موجود) الفاظ **الخطبة** ' **خطب** اور **یخطب** کی دلالت ایک خطبہ پر تو واضح ہے اور دو کے لیے دلیل درکار ہے جو موجود نہیں پھر ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے خطبہ عید کی جو مختصر تفصیل مذکور ہے وہ بھی ایک ہی خطبہ پر دال ہے ایک عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے عورتوں کو

---

(۱) [کشف الأستار للبزار (۱/۳۱۵)' (٦٥٧)] شیخ البانیؒ رقمطراز ہیں کہ یہ حدیث نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی حسن ہے۔[تمام المنة (ص/۳٤۸)]

(۲) [مسلم (۱٤٦٥) کتاب صلاة العیدین ' ابن ماجة (۱۲٦۳) کتاب إقامة الصلاة و السنة فیها : باب ما جاء فی صلاة العیدین]

وعظ وتذکیر سے دوسرے خطبہ پر استدلال درست نہیں۔

اولا: تو اس لیے کہ مدعا اور رائج دوسرا خطبہ آپ ﷺ کے اس وعظ سے مختلف ہے۔

ثانیا: اس لیے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی مذکور بالا حدیث میں ہے ((فلما فرغ نبی الله ﷺ نزل الخ)) تو آپ ﷺ کا یہ وعظ صلاۃ عید اور خطبہ عید سے فراغت کے بعد تھا۔

ثالثا: اس لیے کہ صحیح مسلم (۲۸۹/۱) میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے

((أشهد علی رسول الله ﷺ يصلی قبل الخطبة قال: ثم خطب ' فرآی أنه لم يسمع النساء ' فاتاهن و ذكرهن)) الحدیث۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ ((ثم خطب الخ)) ان کے الفاظ ((يصلی قبل الخطبة)) کی تفصیل وتفسیر ہے تاسیس نہیں لہذا ان کے ان الفاظ سے بھی دوسرے خطبہ پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) (۱)

خطبہ عید کے لیے منبر مشروع نہیں

کیونکہ سنت نبوی سے یہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے (نماز عید کے متعلق ایک) روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نماز کی ادائیگی کے بعد رخ پھیرتے

((فيقوم مقابل الناس)) ''اور لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے۔''

اور تمام لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے' اچھی باتوں کا حکم دیتے۔ اگر جہاد کے لیے کہیں لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوتا تو اس کو الگ کرتے۔ کسی اور بات کا حکم دینا ہوتا تو وہ دیتے۔ اس کے بعد شہر واپس تشریف لاتے۔'' (۲)

(۱) [احکام و مسائل (۲۰۴/۱-۲۰۶)]

(۲) [بخاری (۹۵۶) کتاب الجمعة : باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر' مسلم (۸۸۹)]

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ﷺ نے منبر استعمال نہیں فرمایا۔(۱)

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ''سب سے پہلے مروان نے عیدگاہ میں منبر رکھوایا۔'' (۲)

البتہ ابن حبان کی روایت میں ہے کہ ''نبی ﷺ نے اپنی سواری پر خطبہ عید ارشاد فرمایا۔'' (۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سواری وغیرہ پر بیٹھ کر خطبہ دینا مباح و درست ہے۔

ایک شخص نماز عید پڑھائے اور دوسرا خطبہ دے

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((السنة أن يؤم الناس في صلاة العيد ويخطب بهم شخص واحد لكن إن أمهم في الصلاة شخص، وخطبهم آخر أجزاهم ذلك كالجمعة))

''سنت یہ ہے کہ نماز عید میں ایک ہی شخص لوگوں کی امامت کرائے اور انہیں خطبہ دے لیکن اگر ایک شخص انہیں نماز میں امامت کرائے اور کوئی دوسرا انہیں خطبہ دے تو یہ بھی انہیں کفایت کر جائے گا جیسے جمعہ میں کفایت کر جاتا ہے۔'' (٤)

عورتوں کو وعظ و نصیحت

امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ہے

((باب موعظة الإمام النساء يوم العيد))

---

(۱) [سبل السلام (٦٧٩/٢)]

(۲) [بخاری (٩٥٦)]

(۳) [الإحسان (٦٥/٧)، (٢٨٢٥) أبو يعلي (١١٨٢) امام ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو صحیح کے رجال کہا ہے۔ [المجمع (٢٠٥/٢) اس حدیث کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے جیسا کہ شیخ شعیب ارنؤوطؒ نے نقل کیا ہے۔ [التعليق على سبل السلام للشيخ صبحي حسن حلاق (٢٣١/٣)]

(٤) [فتاوى اللجنة الدائمة (٣٠٣/٨)]

''باب امام کا عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرنا۔''

اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

((عن جابر رضی اللہ عنہ قال : قام النبی ﷺ یوم الفطر فصلی' فبداء بالصلاۃ ثم خطب' فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکرهن وهو یتوکأ علی ید بلال وبلال باسط ثوبه یلقی فیه النساء الصدقة))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عید الفطر کی نماز پڑھی۔ پہلے آپ نے نماز پڑھی اس کے بعد خطبہ دیا۔ جب آپ خطبہ سے فارغ ہو گئے تو اترے اور عورتوں کی طرف آئے۔ پھر انہیں نصیحت فرمائی۔ آپ ﷺ اس وقت بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا پھیلا رکھا تھا جس میں عورتیں صدقہ ڈال رہی تھیں۔'' (۱)

یاد رہے کہ آج کل چونکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے مردوں کے ساتھ ہی عورتوں تک بھی خطبہ کی آواز پہنچ جاتی ہے لہذا عورتوں کی طرف الگ وعظ ونصیحت کے لیے جانے کی ضرورت نہیں اور نبی ﷺ نے بھی عورتوں کو الگ اس لیے وعظ فرمایا تھا کہ ان تک آواز نہیں پہنچی تھی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((قال عطاء سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہ یقول : أشهد علی رسول الله لصلی قبل الخطبة قال : ثم خطب فرأی أنه لم یسمع النساء فأتاهن فذکرهن ووعظهن وأمرهن بالصدقة))

''امام عطاءؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی پھر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ کو خیال آیا کہ آپ عورتوں کو نہیں سنا سکے اس لیے

(۱) [بخاری (۹۷۸) کتاب العیدین : باب مرعظة الإمام النساء یوم العید]

آپ ان کے پاس آئے' انہیں وعظ و نصیحت کیا اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔" (۱)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رقمطراز ہیں کہ

((وفي هذا الأحاديث استحباب وعظ النساء وتذكيرهن الآخرة وأحكام الإسلام وحثهن على الصدقة))

"ان احادیث میں خواتین کو آخرت اور اسلام کے احکام کے متعلق وعظ و نصیحت کرنے اور انہیں صدقہ کی ترغیب دینے کے استحباب کا بیان ہے۔" (۲)

نماز عید کے بعد مبارکباد دینا

اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کچھ ثابت نہیں البتہ صحابہ سے بعض آثار ملتے ہیں۔

(1) شیخ البانی نے نقل فرمایا ہے کہ محمد بن زیاد نے کہا

((كنت مع أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه وغيره من أصحاب النبي ﷺ فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض "**تقبل الله منا ومنك**" قال أحمد بن حنبل : اسناده جيد))

"میں حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ کے ساتھ تھا وہ جب (نماز عید سے) واپس لوٹتے تو ایک دوسرے سے کہتے "**تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنكَ**" امام احمد بن حنبل نے کہا: اس کی سند جید ہے۔" (۳)

(2) حافظ ابن حجر نے جبیر بن نفیل کے متعلق روایت نقل کی ہے کہ

(۱) [مسلم (۸۸٤) كتاب صلاة العيدين' أحمد (۱۹۰۲) ابن ماجة (۱۲۷۳'۱۲۷٤) دارمي (۱٦٠٣) حميدى (٤٧٦) ابن أبي شيبة (۱٦٩/۲) طبراني كبير (۱۱۳٤٠) شرح السنة (۱۱۰۲)]

(۲) [شرح مسلم (۱۹۳/٤)]

(۳) [تمام المنة (ص/۳٥٥)]

((کان أصحاب رسول الله ﷺ إذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعض "تقبل الله منا ومنک"))

"رسول اللہ ﷺ کے صحابہ عید کے دن جب ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے " تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَمِنکَ"(۱)

نمازِ عید کی قضا

نمازِ عید کی قضا اس طرح ادا کی جائے گی کہ انسان دو رکعت نماز ادا کرے اور اس میں اسی طرح تکبیریں اور ذکر کرے جیسے نمازِ عید میں کیا جاتا ہے۔(واللہ اعلم)

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((صلاة العیدین فرض کفایة إذا قام بها من یکفی سقط الإثم عن الباقین ....ومن فاتته وأحب قضائها استحب له ذلك فیصلیها علی صفتها من دون خطبه))

"نمازِ عیدین فرض کفایہ ہے (یعنی) اگر اتنے افراد اسے قائم کر دیں جو کافی ہو جائیں تو باقیوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا............ اور جس کی یہ نماز فوت ہو جائے اور وہ اس کی قضا دینا چاہے تو اس کے لیے یہ مستحب ہے لہٰذا وہ خطبہ کے بغیر اس نماز کے طریقے کے مطابق اسے ادا کر لے۔"(۲)

واپسی پر راستہ تبدیل کرنا

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((کان النبی ﷺ إذا کان یوم عید خالف الطریق))

---

(۱) [فتح الباری (۲/۴۴۶) حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے اور شیخ البانیؒ نے بھی یہ بات نقل کی ہے۔[تمام المنة (ص/۳۵٦)]

(۲) [فتاوی اللجنة الدائمة (۸/۳۰٦)]

''جب عید کا دن ہوتا تو نبی ﷺ راستہ تبدیل کر لیتے۔''(۱)

(2) ((عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال كان النبی ﷺ إذا خرج إلى العيد يرجع فی غير الطريق الذی خرج فيه))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''نبی ﷺ عید کے روز جب کسی راستے سے نکلتے تو واپسی پر کسی دوسرے راستے سے لوٹتے۔''(۲)

عید اگر جمعہ کے روز آ جائے

ایسی صورت میں نماز عید تو معمول کے مطابق ہی ادا کی جائے گی البتہ جمعہ میں اختیار ہوگا یعنی اگر کوئی چاہے تو مسجد میں حاضر ہو کر جمعہ پڑھ لے اور اگر چاہے تو نہ پڑھے لیکن یہ یاد رہے کہ جمعہ نہ پڑھنے والے پر نماز ظہر کی اکیلے یا باجماعت ادائیگی بہر صورت ضروری ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أن النبی ﷺ صلى العيد فی يوم جمعة ثم رخص من الجمعة فقال من شآء أن يجمع فليجمع))

''بلاشبہ نبی ﷺ نے بروز جمعہ نماز عید پڑھائی پھر جمعہ کی رخصت دیتے ہوئے فرمایا کہ جو جمعہ پڑھنا چاہے پڑھ لے۔''(۳)

(۱) [بخاری (۹۸۶) كتاب الجمعة : باب ما خالف الطريق إذا رجع يوم العيد]

(۲) [ترمذی (۵٤۱) كتاب الجمعة : باب ما جآء فی خروج النبی إلى العيد فی طريق و رجوعه من طريق آخر' ابن ماجة (۱۳۰۱) أحمد (۳۳۸/۲) حاكم (۲۹٦/۱) ابن خزيمة (۱٤٦۸) ابن حبان (۵۹۲۔الموارد) دارمی (۳۷۸/۱) بيهقی (۳۰۸/۳) شرح السنة (٦۰۸/۲) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ترمذی (٤٤٦)]

(۳) [أبو داود (۱۰۷۰) كتاب الصلاة : باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد' أحمد (۳۷۲) ابن ماجة (۱۳۱) نسائی (۱۵۹۱) حاكم (۲۸۸/۱) بيهقی (٤۱۷/۳) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح أبو داود (۹٤۵)]

(2) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قد اجتمع فی یومکم هذا عیدان فمن شآء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون))

"یقیناً تمہارے اس دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں پس جو چاہے اسے (نمازِ عید ہی) نمازِ جمعہ سے کفایت کر جائے گی لیکن ہم تو جمعہ ادا کریں گے۔"(۱)

یاد رہے کہ "إنا مجمعون" سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ رخصت محض عوام کے لیے ہے امام کے لیے نہیں بلکہ یہاں صرف یہی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت نہیں بلکہ عزیمت کو اختیار کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ رخصت موجود ہی نہیں تھی جیسا کہ اس کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نماز عید پڑھائی لیکن نماز جمعہ نہیں پڑھائی بلکہ لوگ انتظار ہی کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اکیلے نماز پڑھ لی۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ((أصاب السنة)) "ابن زبیر رضی اللہ عنہ سنت کو پہنچ گئے ہیں۔"(۲)

بروز جمعہ عید ہو تو کیا ظہر پڑھی جائے گی

یا اس کی بھی ضرورت نہیں؟

امام عطاء سے مروی ہے کہ

((اجتمع یوم جمعة و یوم فطر علی عهد ابن الزبیر فقال عیدان

(۱) [أبو داود (۱۰۷۳) أیضا ' ابن ماجة (۱۳۱۱) بیهقی (۳۱۸/۳) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۹٤۸)]

(۲) [أبو داود (۱۰۷۱) أیضا ' نسائی (۱۹٤/۳) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۹٤٦)]

اجتمعا فی یوم واحد فجمعهما جمیعا فصلاهما رکعتین بکرة لم یزدد علیهما حتی صلی العصر))

''حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ جمعہ اور عید الفطر ایک ہی دن میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں' پھر انہوں نے ان دونوں کو اس طرح اکٹھے جمع کیا کہ صبح کے وقت ان دونوں نمازوں کے لیے دو رکعت نماز ادا کر لی اس سے زائد کچھ نہ پڑھا تا آنکہ نماز عصر ادا کی۔''(۱)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے نماز ظہر نہیں ادا کی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً اگر کسی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے تو جس سے ساقط ہوا ہے اس پر نماز ظہر کی ادائیگی بھی واجب نہیں جیسا کہ امام عطاءؒ بھی اسی کے قائل ہیں......اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بات وہی لوگ کہتے ہیں جو جمعہ کو اصل قرار دیتے ہیں۔ اور آپ کو اس بات کا علم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروز جمعہ بندوں پر جو فرض ہے وہ محض نماز جمعہ ہی ہے لہٰذا کسی عذر یا بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑنے والے شخص پر نماز ظہر کو واجب قرار دینے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے......اور میرے علم کے مطابق ایسی کوئی صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔(۲)

امام صنعانیؒ فرماتے ہیں کہ: (1) یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عطاءؒ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نماز جمعہ کے لیے نہیں نکلے لیکن محض اتنی بات اس میں نص قطعی کی حیثیت نہیں رکھتی کہ انہوں نے گھر میں بھی نماز ادا نہیں کی اس لیے بالجزم یہ کہنا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا موقف بھی یہی تھا کہ نماز ظہر ضروری نہیں......اس احتمال کی وجہ سے صحیح نہیں کہ عین ممکن ہے انہوں نے وہ نماز گھر میں ہی پڑھ لی ہوگی۔

---

(۱) [أبو داود (۱۰۷۲) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح أبو داود (۹٤۷)]

(۲) [نیل الأوطار (۵۷۸/۲) معنا ومفهوما]

(2) بلکہ اس کی مزید تائید امام عطاءؒ نے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ((أنهم صلوا وحدانا)) ''لوگوں نے اکیلے اکیلے نماز ادا کر لی۔''......اور (اس کے برخلاف) بالاتفاق نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ہی درست ہے (لہذا انہوں نے جمعہ نہیں پڑھا بلکہ صرف نماز ظہر ہی اکیلے ادا کر لی)۔

(3) اور یہ کہنا کہ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ اصل ہے اور نمازِ ظہر کا بدل ہے مرجوح قول ہے بلکہ اصل فرض جو اسراء کی رات مقرر کیا گیا وہ ظہر ہی ہے اور جمعہ کی فرضیت متاخر ہے پھر (یہ مسئلہ بھی محتاج بیان نہیں ہے کہ) جب جمعہ رہ جائے تو نمازِ ظہر پڑھنا اجماعاً واجب ہے تو (ثابت ہوا کہ) جمعہ ظہر کا بدل ہے (نہ کہ ظہر جمعہ کا بدل ہے)۔(۱)

شمس الحق عظیم آبادیؒ نے امیر صنعانیؒ کے قول کو درست قرار دیا ہے۔(۲)

عید کے دن روزے کا حکم

(1) ((عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ **نهى عن صيام يومين يوم الفطر ويوم الاضحى**))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا ہے یعنی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔''(۳)

(2) ((عن ابي سعيد قال قال رسول الله :**لا صوم في يوم عيد**))

''حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عید کے دن

(۱) [سبل السلام (۶۴۶/۲)]
(۲) [عون المعبود (۲۸۸/۳)]
(۳) [صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان (۳۵۹۸) كتاب الصوم : باب ذكر الزجر عن صوم اليومين اللذين يعيد فيهما ' شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[أيضا] مؤطا (۳۰۰/۱) أحمد (۵۱۱/۴) مسلم (۱۱۳۸) بيهقي (۲۹۷/۴) شرح السنة (۱۷۹۴) بخاري (۱۹۹۳) دارقطني (۱۵۷/۲)]

میں کوئی روزہ نہیں۔‘‘(۱)

امام نوویؒ کا فتوی:

((قد أجمع العلماء على تحريم صوم هذين اليومين بكل حال سواء صامهما عن نذر أو تطوع أو كفارة أو غير ذلك))

’’ہر حال میں ان دونوں دنوں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کے روزے کی حرمت پر علماء نے اجماع کیا ہے خواہ کوئی نذر کے یا نفلی یا کفارہ کے یا اس کے علاوہ کوئی اور روزے رکھے (سب ممنوع ہیں)۔‘‘(۲)

ایام تشریق میں روزے کا حکم

(1) ((عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ : **أيام منى أيام أكل وشرب**))

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’منیٰ کے دن کھانے اور پینے کے دن ہیں۔‘‘(۳)

(2) ((عن أبي هريره رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ أمر عبدالله بن حذافة أن يطوف في أيام منى **ألا لا تصوموا هذه الأيام فإنها أيام أكل وشرب وذكر الله**))

(۱) [صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان (۳۵۹۹) كتاب الصوم : باب ذكر الزجر عن صيام يوم العيد للمسلمين، شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[أيضا] أبو يعلى (۱۱٦٦) أحمد (۷/۳) حميدی (۷۵۰) ابن ابی شيبة (۱۰٤/۳) دارمی (۲۰/۲) بخاری (۱۱۹۷) ابن ماجة (۱۷۲۱)]

(۲) [شرح مسلم (۲۷۱/٤)]

(۳) [صحيح ابن حبان (۳٦۰۱) كتاب الصوم : باب في صوم أيام التشريق، شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔[أيضا] ابن ماجة (۱۷۱۹) حافظ بوصیری نے اسے صحیح کہا ہے۔(مصباح الزجاجة (۲٦/۲)]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ایام منیٰ میں طواف کرنے کا حکم دیا' (اور فرمایا) خبردار ان دنوں میں روزہ نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کے ذکر کے دن ہیں۔'' (۱)

(3) ((عن عقبة بن عامر عن النبی ﷺ قال : **يوم عرفة ويوم النحر وأيام الشريق هن عيدنا أهل الإسلام هن أيام أكل وشرب))**

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کا دن' عید الاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید (کے دن) ہیں' یہ کھانے اور پینے کے دن ہیں۔'' (۲)

عید کے دن جہادی مظاہرہ

صحیح بخاری میں ہے کہ

((وکان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحراب' فإما سألت النبی ﷺ وإما قال : (تشتهين تنظرين؟) فقلت : نعم وأقامنی وراء ہ ' خدی علی خده وهو يقول : ''دونكم يا بنی ارفدة'' حتى إذا ملكت قال : حسبك؟ قلت : نعم ' قال: فاذهبی))

''اور عید کا دن تھا۔ حبشہ سے کچھ لوگ ڈھالوں اور برچھوں سے کھیل رہے تھے۔ اب یا خود میں نے کہا یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم یہ کھیل دیکھو گی، میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا۔ میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے

(۱) [أحمد (۵۱۳/۲) طحاوی (۲۴۴/۲)]

(۲) [صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان (۳۶۰۳) كتاب الصوم : باب ذكر العلة التی من أجلها نهی عن صيام هذا الايام' شیخ شعیب ارنؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[ایضا] ابن ابی شیبہ (۱۰۴/۳) أحمد (۱۵۲/۴) دارمی (۲۳/۲) ابو داود (۲۴۱۹) ترمذی (۷۷۳) نسائی (۲۵۲/۵) خزیمة (۲۱۰۰) حاکم (۴۳۴/۱)]

تھے کھیلو کھیلو اے بنی (ارفدہ!) یہ حبشہ کے لوگوں کا لقب تھا پھر جب میں تھک گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا "بس!" میں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ۔" (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر عید کے دن ایسے کرتب دکھائے جائیں تو جائز ہے۔

عید کے دن مباح کھیل کود

((وعن أنس رضی اللہ عنہ قال : قدم رسول الله ﷺ المدينة ' ولهم يومان يلعبون فيهما ' فقال : قد أبدلكم الله بهما خيرا منهما : يوم الاضحى' ويوم الفطر))

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اہل مدینہ کے دو روز کھیل کود کے لیے مقرر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دونوں (دنوں) کے بدلہ میں ان سے بہتر دن عنایت فرما دیے ہیں۔ ایک عیدالاضحیٰ کا دن اور دوسرا عیدالفطر کا۔" (۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے روز کھیلنا کودنا' اظہار مسرت وفرحت کرنا جائز ہے۔ البتہ مشرکوں اور کافروں کی عیدوں پر خوشی اور مسرت وانبساط کا اظہار کرنا مکروہ ہے یا بقول بعض حرام ہے۔

عید کے دن بیہودگی سے پاک اشعار کہنا

((عن عائشه رضی اللہ عنہا قالت : دخل أبو بكر وعندي جاريتان من جواري الأنصار تغنيان بما تقاولت الأنصار يوم بعاث' قالت : وليستا بمغنيتين ـ فقال أبوبكر : أمزامير الشيطان في بيت رسول الله ﷺ ؟ وذلك في يوم عيد' فقال رسول الله ﷺ : **يا أبا بكر! إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا**))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث کی جنگ کے

(۱) [بخاری (۹۵۰) كتاب العيدين : باب الحراب والدرق يوم العيد]

(۲) [ابو داود (۱۱۳٤) نسائی (۱۷۹/۳) اس کی سند صحیح ہے۔]

موقع پر کہے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ گانے والیاں نہیں تھیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ شیطانی باجے اور یہ عید کا دن تھا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج یہ ہماری عید ہے۔'' (۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داود رازؒ رقمطراز ہیں کہ

''اس حدیث سے معلوم یہ ہوا کہ عید کے دن ایسے گانے میں مضائقہ نہیں کیونکہ یہ دن شرعاً خوشی کا دن ہے پھر اگر چھوٹی لڑکیاں کسی کی تعریف یا کسی کی بہادری کے اشعار خوش آواز سے پڑھیں تو جائز ہے کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی رخصت دی۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ گانے والی جوان عورت نہ ہو اور راگ کا مضمون شرع شریف کے خلاف نہ ہو اور صوفیوں نے جو اس باب میں خرافات اور بدعات نکالی ہیں ان کی حرمت میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے اور نفوس شہوانیہ بہت صوفیوں پر غالب آ گئے یہاں تک کہ بہت صوفی دیوانوں اور بچوں کی طرح ناچتے ہیں اور ان کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ جانتے ہیں اور نیک کام سمجھتے ہیں اور یہ بلا شک وشبہ زنادقہ کی علامت ہے اور بے ہودہ لوگوں کا قول ہے۔ واللہ المستعان (تسہیل القاری' پ:۴/ص:۳۹/۳۶۲)(۲)

عیدین کے متعلق ایک من گھڑت روایت

((من أحيى ليلة الفطر والأضحى لم يمت قلبه يوم تموت القلوب))

''جس شخص نے (عبادت واذکار کے ذریعے) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات کو زندہ رکھا تو جس دن دلوں کو موت آئے گی اس کا دل نہیں مرے گا۔'' (۳)

---

(۱) [بخاری (۹۵۲) کتاب العیدین : باب سنة العيدين لأهل الإسلام]

(۲) [شرح بخاری از مولانا داودرازؒ (۱۲۳/۲)]

(۳) [الضعیفة (۵۲۰' ۵۲۱) شیخ البانیؒ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔]

مسائل قربانی

مسائل قربانی

قربانی کا معنی ومفہوم اور وجہ تسمیہ

لفظ قربانی قربان سے مشتق ہے اور لغوی اعتبار سے قربان سے مراد ''ہر وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے چاہے ذبیحہ ہو یا کچھ اور۔''(۱)

صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ

((والقربان بالضم : ما یتقرب به إلی الله تعالیٰ))

''اور قربان 'ضمہ کے ساتھ' یہ ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جائے۔''(۲)

صاحب المعجم الوسیط فرماتے ہیں کہ

((القربان : کل ما یتقرب به إلی الله عزوجل من ذبیحة وغیرها))

''قربان: ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے خواہ وہ ذبیحہ ہو یا اس کے علاوہ کچھ اور۔(۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ لفظِ قربانی قرب سے مشتق ہے چونکہ اس عمل کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اسی لیے اسے قربانی کا نام دیا گیا ہے۔ اصطلاحی اعتبار سے قربانی سے مراد اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں وغیرہ میں سے کوئی جانور عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے قربان کرنا ہے۔(٤)

(۱) [مصباح اللغات (ص/٦٦٨)]

(۲) [القاموس المحیط (ص/١٢٧)]

(۳) [المعجم الوسیط (ص/٧٢٣)]

(٤) [فقه السنة ازسید سابق (١٩٥/٣)]

فرزندانِ توحید کی عظیم قربانی

ہر بلند درجہ کے پیچھے کوئی نہ کوئی بڑی قربانی ضرور موجود ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

((إن عظم الجزاء مع عظم البلاء))

''بڑی جزا عظیم آزمائشوں سے گزر کر ہی حاصل ہوسکتی ہے۔'' (۱)

حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر اونچا مقام عطا فرمایا کہ انہیں اپنا خلیل بنایا' انبیاء کا جدامجد بنایا' آپ کے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں انبیائے بنی اسرائیل کا ایک طویل سلسلہ جاری فرمایا' آپ کے ہاتھوں سے اپنا گھر بیت اللہ تعمیر کرایا' تمام انبیاء کے سید و امام حضرت محمد ﷺ کو بھی آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمایا اور جنت میں آپ علیہ السلام کے لیے ایک محل تعمیر کرایا۔ یہ تمام درجات و انعامات حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گھر بیٹھے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ان کے پیچھے آزمائشوں اور قربانیوں کا طویل سلسلہ ہے جنہیں آپ علیہ السلام نے اپنی پوری زندگی میں حنیفیتِ تامہ کی عملی تفسیر و تعبیر بن کر ہر مرتبہ کامل موحد کی طرح خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ہر حکم کی تعمیل میں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔

آپ علیہ السلام نے غیر اللہ کی عبادت سے انکار کیا' جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پردہ چاک کیا' موروثی روایات کو پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا' بت پرستوں کے خودساختہ خداؤں کو توڑ ڈالا' آگ میں گرنے کی نوبت آئی تو بلا تامل چھلانگ لگادی' وطن چھوڑنا پڑا تو والدین' گھر جائیداد اور دوسرا مال و متاع سب پاؤں کی ٹھوکر پر رکھ کر دین کی خاطر ہجرت کر گئے' زوجہ محترمہ اور لختِ جگر کو بے آب و گیاہ اور لق و دق صحرا میں چھوڑنے کا مرحلہ آیا تو انہیں بھی اللہ

(۱) [ترمذی (۲۳۹٦) کتاب الزهد : باب ما جآء فی الصبر علی البلاء]

کے سہارے چھوڑ آئے۔ بڑھاپے کی عمر میں اللہ سے دعائیں مانگ مانگ کر حاصل ہونے والا نورِ نظر اور آنکھوں کی ٹھنڈک بچہ اسماعیل علیہ السلام بھی اللہ کے حکم پر ذبح کرنا پڑا تو چھری چلاتے ہوئے بوڑھے باپ کے ہاتھ نہ کانپے۔

ہاں یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عظیم درجات سے نوازا۔ یہاں چونکہ قربانی کے حوالہ سے ذبح کا قصہ مقصود ہے لہذا آئندہ سطور میں بالاختصار یہی بیان کیا جا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے بڑھاپے کا سہارا ان الفاظ میں طلب فرمایا:

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ [الصافات : ١٠٠]

''اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔''

تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ﴾ [الصافات : ١٠١]

''تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی (86) برس تھی۔(١)

یہ بچہ جب بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا' دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا اور بوڑھے والدین کا سہارا بننے کے لائق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑے کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہے ہیں۔ اب یہ خواب کسی عام انسان کا نہیں تھا کہ جسے محض پراگندہ اوہام وخیالات تصور کر کے نظر انداز کر دیا جاتا بلکہ اللہ کے ایک برگزیدہ نبی کا خواب تھا اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

---

(١) [قصص الأنبياء (١٤١/١)]

((رؤيا الأنبياء وحی)) ''انبیاء کے خواب وحی ہیں۔'' (۱)

اس لیے آپ علیہ السلام فورا بلا جھجک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تابعداری کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور بیٹے سے کہا:

﴿يٰبُنَيَّ إِنِّيْٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾

[الصافات: ۱۰۲]

''اے بیٹے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں اب تو ہی بتا تیری کیا رائے ہے۔''

جذبۂ اطاعت سے سرشار بیٹے نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور غور وفکر کے فورا جواب دیا:

﴿يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

[الصافات: ۱۰۲]

''ابا جان! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لایئے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔''

اللہ کی قسم! یہ جواب والد اور اللہ ذوالجلال کی بے مثال اطاعت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر آج کا کوئی نوجوان ہوتا تو ضرور کہہ دیتا کہ ابا جان! اگر مجھے ذبح ہی کرنا تھا تو پیدا کیوں کیا تھا لیکن اسماعیل علیہ السلام نے کمال جذبۂ صبر کا مظاہرہ کیا اور سر تسلیم خم کر دیا پھر ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو کروٹ پر لٹا دیا' اور پھر اللہ کا نام لے کر چھری بھی چلا دی۔ لیکن وہ ذبح نہ کر سکی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس جذبۂ ایثار وقربانی کے منظر کو دیکھ چکے تھے اور ابراہیم علیہ السلام ایک بار پھر اس عظیم آزمائش میں بھی کامیاب ہو چکے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے جنت سے ایک دنبہ بھیج دیا جسے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ قربان کر دیا گیا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

(۱) [بخاری (۱۳۸/۱) كتاب الوضوء: باب التخفيف في الوضوء' طبرانی كبير (۱۲۳۰۲/۱۲) مجمع الزوائد (۱۷۶/۶)]

﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ o وَنَادَيْنَهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ o قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ o إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ o وَفَدَيْنَهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ o وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ o سَلٰمٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ o كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ o إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾

''غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرا دیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا' بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔ اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیم علیہ السلام پر سلام ہو۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔''

اس کے بعد اس سنتِ ابراہیمی کو قیامت تک کے لیے قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنا دیا گیا اور عید الاضحیٰ کے دن اسے سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

قربانی سے مقصود محض جانور ذبح کرنا نہیں

شریعت کے وہ چند مسائل جو ہماری توجہ کسی نہ کسی تاریخی واقعہ کی طرف مبذول کرتے ہیں ان میں سے ایک قربانی بھی ہے۔ ایسے مسائل سے مقصود محض انہیں مقررہ وقت پر بالفعل اختیار کر لینا ہی نہیں ہے بلکہ ان تاریخی حوادث پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے اس جذبۂ عبادت اور قربانی کی ناقابل فراموش کنہہ وحقیقت کو سمجھ کر اپنانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے جس کے باعث یہ مسائل ہماری اسلامی روایات میں جزولاینفک کی حیثیت اختیار کر گئے جیسا کہ حاجیوں کے لیے صفا مروہ کی سعی کرنا محض ایک دوڑ نہیں ہے بلکہ اُس تاریخی واقعہ کی غماز ہے جس میں ایک طرف ننھا سا بچہ شدت پیاس کے باعث زمین پر ایڑیاں مارتا نظر آتا ہے اور دوسری طرف اماں ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں صفا مروہ کی

پہاڑیوں کے چکر لگاتی نظر آتی ہیں کہ جنہیں ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی تمام تر محبتیں قربان کر کے مکہ کی بے آب وگیاہ زمین میں تنہا چھوڑ گئے تھے۔

بعینہ قربانی کا مسئلہ بھی ہے یعنی عید قربان کے دن جانور ذبح کرنا' کچھ گوشت تقسیم کر دینا' کچھ کھا لینا اور پھر خود کو شریعت کے ہر حکم سے آزاد تصور کرنا اور قربانی کے مقصد یا غرض وغایت پر سنجیدگی سے غور وفکر نہ کرنا' کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جانور قربان کرنے کے ساتھ ساتھ ابراہیم علیہ السلام کی مثالی اطاعت وفرمانبرداری اور اثر آفریں عقیدت وارادت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا کم سن خوبصورت بیٹا بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔

اگرچہ چھری ذبح نہ کر سکی اور پھر حکم الٰہی کے مطابق مینڈھا ذبح کر دیا گیا لیکن وہ کیا اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی اور کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا جذبہ ہوگا کہ جس کی بدولت وہ اس مشکل ترین عمل سے بھی پیچھے نہ ہٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اس محبت واطاعت کا صلہ یوں دیا کہ اس عمل کو تمام مسلمانوں کے لیے مسنون قرار دے کر قیامت تک کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو جاری وساری کر دیا۔

لامحالہ ہم سے بھی اسلام صرف جانوروں کی قربانی نہیں چاہتا بلکہ اُس جذبۂ اطاعت اور خشیت الٰہی کو بھی اجاگر کرنا چاہتا ہے جس کے ذریعے ہم اپنی ہر چیز بوقت ضرورت اللہ تعالیٰ کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار ہو جائیں اور یقیناً آج اسلام کو جانوروں کی قربانیوں سے کہیں زیادہ ہماری محبوب ترین اشیاء یعنی مال' اولاد اور جان کی قربانیوں کی ضرورت ہے۔

لہذا ہمیں چاہیے کہ اس عمل کو محض ایک تہوار اور رسم سمجھتے ہوئے تفاخر اور ریاء ونمود کا ذریعہ ہی نہ بنا ڈالیں کہ جس کے باعث ہمیں دنیا میں تو اسلامی شعائر وروایات اپنانے کا اعزاز مل جائے لیکن ہماری عقبیٰ تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے بلکہ ہمیں چاہیے کہ اس عمل کے پیچھے

چھپی اُس عظیم قربانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ایمانوں کو اس قابل بنائیں جو ہمیں دنیاوی لہو ولعب اور مصنوعی عیش ونشاط سے نکال کر اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر گوشہ رضائے الٰہی کی خاطر قربان کر دینے کے لیے تیار کر دے۔

پچھلی امتوں کے لیے قربانی کی مشروعیت

قربانی کا حکم صرف اس امت کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ پچھلی امتوں کے لیے بھی قربانی کے عمل کو مشروع قرار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ﴾ [الحج : ٣٤]

''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے' تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ' اور عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔''

اس آیت کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف امت محمدیہ کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر امت کے لیے قربانی وذبح کے احکام نازل فرمائے ہیں۔

اس امت کے لیے قربانی کی مشروعیت

قربانی ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کی سنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں انبیاء کی سنت اپنانے اور اتباع کرنے کی تلقین فرمائی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ﴾ [الممتحنة : ٤]

''(مسلمانو!) تمہارے لیے ابراہیم علیہ السلام میں اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے۔''

اور دوسری آیت میں فرمایا:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ [النحل : ١٢٣]

''پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے یکطرفہ دین کی پیروی کریں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب:٢١]

''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہترین نمونہ (موجود) ہے۔''

اور ایک اور آیت میں فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ [آل عمران:٣١]

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو۔''

علاوہ ازیں مزید قربانی کی مشروعیت کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الكوثر : ٢]

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((كان النبي ﷺ يضحي بكبشين و أنا أضحي بكبشين))

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا تھا۔''(١)

(3) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا))

''جس کے پاس وسعت وطاقت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے

(١) [بخاري (٥٥٥٣) كتاب الأضاحي : باب في أضحية النبي]

قریب بھی ہرگز نہ آئے۔''(۱)

(4) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من کان ذبح قبل الصلاۃ فلیعد))

''جس نے نماز سے پہلے (جانور) ذبح کرلیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔''(۲)

(5) ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یأیھا الناس! إن علی کل أھل بیت فی کل عام أضحیۃ))

''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی (کرنا مشروع) ہے۔''(۳)

(6) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''عہد رسالت میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا۔''(٤)

(7) امام ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((أجمع المسلمون علی مشروعیۃ الأضحیۃ))

''مسلمانوں نے قربانی کی مشروعیت پر اجماع کیا ہے۔''(٥)

(۱) [ابن ماجۃ (۳۱۲۳) کتاب احمد (۳۲۱/۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجۃ (۲۵۳۲)]

(۲) [بخاری (٥٥٤٩) کتاب الأضاحی : باب مایشتھی من اللحم' مسلم (۱۹٦۲) ابن ماجۃ (۳۱٥۱) نسائی (٤٤٠٨)]

(۳) [ابن ماجۃ (۳۱۲٥) کتاب الأضاحی : باب ......] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجۃ (۲٥۳۳)]

(٤) [ترمذی (١٥٠٥) کتاب الأضاحی : باب ماجاء أن الشاۃ الواحدۃ تجزی عن أھل بیت' ابن ماجۃ (۱۳٤۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔]

(٥) [المغنی (۳٦٠/۱۳)]

قربانی کا حکم

اگرچہ اس کے حکم میں اختلاف ہے اور بعض علماء نے صاحب استطاعت شخص کے لیے اسے واجب بھی قرار دیا ہے لیکن راجح و برحق بات یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور یہ مؤقف محض راقم کا ہی نہیں بلکہ درج ذیل کبار علماء بھی یہی مؤقف رکھتے ہیں:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتوی:

((هي سنة و معروف))

''یہ سنت ہے اور یہ امر مشہور ہے۔''(۱)

امام ترمذیؒ کا فتوی:

((والعمل على هذا عند أهل العلم أن الأضحية ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن رسول الله ﷺ يستحب أن يعمل بها وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك))

''اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اسی پر عمل کرنا مستحب ہے اور امام سفیان ثوریؒ اور امام ابن مبارکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔''(۲)

امام شوکانیؒ کا فتوی:

''قربانی سنت مؤکدہ ہے اور جمہور بھی اسی کے قائل ہیں۔''(۳)

امام ابن حزمؒ کا فتوی:

((لا يصح عن أحد من الصحابة أنها واجبة وصح أنها غير واجبة عن الجمهور ولا خلاف في كونها من شرائع الدين))

(۱) [بخاری قبل الحدیث (۵۵۴۵)]

(۲) [سنن ترمذی (بعد الحدیث/ ۱۵۰۶)]

(۳) [السیل الجرار(۶۶۸/۳)]

’’کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے جبکہ جمہور علماء سے ثابت ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ (قربانی) دین کے احکامات میں سے ہے۔‘‘(۱)

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((الأضحية سنة مؤكده في أصح قولي أهل العلم وتتأكد على من عنده سعة من المال لأنها من آكد أنواع العبادات المشروعة يوم عيد الأضحى وأيام التشريق وقد داوم عليها النبي ﷺ في المدينة فكان يضحى كل سنة بكبشين أملحين أقرنين كما ثبت ذلك في الصحيحين من حديث أنس رضی اللہ عنہ))

’’اہل علم کے دو (مختلف) اقوال میں سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور مالی وسعت والے شخص پر زیادہ تاکید والی ہے کیونکہ یہ عید الاضحیٰ کے دن اور ایام تشریق میں مشروع عبادات کی اقسام میں سے سب سے زیادہ مؤکد ہے اور بے شک مدینہ میں نبی ﷺ نے اس پر مداومت اختیار فرمائی۔ آپ ﷺ ہر سال دو چتکبرے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔‘‘(۲)

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

’’اکثر اہل علم قربانی کو واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہی خیال کرتے ہیں۔‘‘(۳)

وہ صورتیں جن میں قربانی واجب ہو جاتی ہے

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی واجب ہو جاتی ہے:

(۱) [المحلی (۳۵۸/۷)]
(۲) [فتاوی إسلامية (۳۱۶/۲)]
(۳) [المغنی (۳٦۰/۱۳)]

(1) اگر کوئی شخص نذر کے ذریعے اپنے اوپر قربانی واجب کر لے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان والوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا ہے کہ

﴿یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ﴾ [الإنسان : ۷] ''وہ نذر پوری کرتے ہیں۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عائشة رضی اللہ عنہا عن النبی ﷺ قال : من نذر أن یطیع اللہ فلیطعه))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے)۔''(۱)

(2) کسی جانور کے متعلق اگر یہ نیت کر لی جائے کہ یہ اللہ کے لیے ہے یا یہ صرف قربانی کے لیے ہے تو پھر اسے اللہ کے لیے قربان کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب وہ وقف ہو چکا ہے اور وقف چیز کا حکم یہ ہے کہ نہ تو اسے فروخت کیا جا سکتا ہے' نہ اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے وراثت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے بلکہ اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صرف کیا جائے گا جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ بات ثابت ہے۔(۲)

(3) اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کو قتل کر بیٹھا تو اس پر فدیہ کے طور پر قربانی لازم ہو جائے گی جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ [المائدة : ۹۵]

''اے ایمان والو! شکار کو قتل مت کرو جبکہ تم حالت احرام میں ہو اور جو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس پر فدیہ واجب ہوگا جو کہ مساوی ہوگا اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے۔''

---

(۱) [بخاری (۶۶۹۶) کتاب الأیمان والنذور : باب إثم من لا یفی بالنذر]
(۲) [مسلم (۴۲۲۴) کتاب الوصیة : باب الوقف]

(4) حج تمتع یا حج قران کرنے والوں کے لیے بھی قربانی کرنا واجب ہے۔(۱)

قربانی کے حکم سے متعلقہ چند ضعیف روایات

(1) ایک روایت میں ہے کہ

((أن رجلا سأل ابن عمر عن الأضحية أواجبة هي؟ فقال ضحى رسول الله والمسلمون فأعادها عليه فقال : أتعقل؟ ضحى رسول الله ﷺ والمسلمون))

''ایک آدمی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قربانی کے متعلق دریافت کیا کہ کیا یہ واجب ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے پھر اس نے دوبارہ آپ سے وہی سوال کیا تو آپ نے کہا ''کیا تم سمجھ رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔''(۲)

(2) ((عن زيد بن أرقم رضی اللہ عنہ قال قلنا يا رسول الله ماهذه الأضاحي ؟ قال : سنة أبيكم ابراهيم))

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔''(۳)

---

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فقه الحدیث از راقم اور مناسك حج للألبانی]

(۲) [ترمذی (۱۵۰۶) كتاب الأضاحي : باب الدليل على أن الأضحية سنة ' شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ضعیف ترمذی (۲۶۰)]

(۳) [ضعيف ابن ماجة (٦٧٢) كتاب الأضاحي : باب ثواب الأضحية ' المشكاة (١٤٧٦) ابن ماجة (٣١٢٧) شیخ مبشر ربانی حفظہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ روایت اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں عائذ اللہ المجاشعی ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا کہ (لا يصح حديثه) ''اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔''امام ابوحاتم نے کہا: (هو متروك الحديث)۔[تنقيح الرواة (٢٨٠)] حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: ضعیف (یعنی یہ راوی ضعیف ہے)۔ [تقريب التهذيب :١٦٢] دوسرا راوی نفیع بن الحارث ابوداؤد میں ہے۔اس کے بارے میں امام دارقطنیؒ نے فرمایا: (هو متروك) ''وہ متروک ہے۔'' (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(3) اور جس روایت میں یہ لفظ ہیں

((أقام رسول اللّٰہ ﷺ بالمدینة عشر سنین یضحی))

''رسول اللہ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور قربانی کرتے رہے۔'' وہ بھی ضعیف ہے۔(۱)

جو قربانی کی طاقت نہیں رکھتا وہ کیا کرے؟

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس لیے جو قربانی کر سکتا ہے اسے ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر کوئی اس کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو یقیناً اسے قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تو سنت ہے اور اگر انسان طاقت نہ ہونے کی وجہ سے فرض زکاۃ بھی ادا نہ کرے یا فرض حج بھی نہ کرے تب بھی اس پر بالاتفاق کوئی گناہ نہیں۔ ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے' مونچھیں کاٹ لے اور زیر ناف مونڈ ھ لے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال أمرت بیوم الأضحی عیدا جعله الله لهذه الأمة قال الرجل أرأیت إن لم أجد إلا منیحة أنثی أفأضحی بها ؟ قال : لا ' ولکن تاخذ من شعرك و أظفارك و تقص شاربك

(گذشتہ سے پیوستہ) [تنقیح الرواۃ (۱/۲۸۰)] امام ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں فرمایا: (هو متروك واتهم بوضع الحدیث) ''وہ متروک ہے اور اسے حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی گئی ہے۔'' حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا: (متروك وقد كذبه ابن معين) ''وہ متروک ہے اور امام ابن معینؒ نے اسے کذاب کہا ہے۔'' [تقریب التهذیب : ۳۵۹] معلوم ہوا کہ نفیع بن الحارث متروک الحدیث اور جھوٹا راوی ہے۔ اس کے علاوہ سلام بن مسکین عائذ اللہ سے روایت کرنے میں منفرد بھی ہے۔[تنقیح الرواۃ (۱/۲۸۰)]

(۱) [ترمذی (۱۵۰۷) کتاب الأضاحی : باب الدلیل علی أن الأضحیة سنة ' شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ضعیف ترمذی (۲۶۱)]

وتحلق عانتك فتلك تمام أضحيتك عند الله))

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یوم الأضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مونث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں' لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی موچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔'' (۱)

قربانی کی فضیلت

قربانی کی فضیلت میں مندرجہ ذیل روایت پیش کی جاتی ہے.

((ماعمل ابن آدم يوم النحر عملا أحب إلى الله من إهراق الدم وإنها لتأتي يوم القيامة بقرونها وأظلافها وأشعارها وإن الدم ليقع من الله عزوجل بمكان قبل أن يقع على الأرض فطيبوا بها نفسا))

''دس ذوالحجہ کو خون بہانے سے بڑھ کر ابن آدم اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بہتر عمل نہیں کرتا' یہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں' کھروں اور بالوں سمیت آئیں گے اور خون کے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں اس کا ایک مقام ہوتا ہے سو تم یہ قربانی خوش دلی سے دیا کرو۔''

لیکن یہ روایت ثابت نہیں جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔(۲)

تاہم قربانی کی سنت پر عمل کا جو اجر و ثواب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے وہ بہرحال قربانی کرنے والے کو ضرور ملے گا کیونکہ قربانی عبادت اور نیک عمل ہے اور ہر نیکی کے متعلق

(۱) [ابو داود (۲۷۸۹) كتاب الضحايا : باب ماجاء في إيجاب الأضاحي' نسائی (۴۳۷۷) ابن حبان (۱۰۴۳) حاکم (۲۲۳/۴) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

(۲) [ترمذی (۱۴۹۳) كتاب الأضاحي : باب ماجاء في فضل الأضحية' ابن ماجة (۳۱۲۶) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ضعیف ترمذی (۲۵۳)]

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾[الأنعام : ١٦٠] ”جو شخص (کوئی) نیک کام کرے گا اسے اس کے دس گنا (اجر) ملے گا۔“

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ آپ نے لکھا ہے کہ قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون کا بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا' کیا اجر ہوگا؟

تو انہوں نے جواب میں کہا ”آپ نے لکھا ہے قربانی کی فضیلت کی تمام احادیث ضعیف ہیں یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس دن خون بہانا اور نبی اکرم ﷺ کا ہر سال قربانی کرنا کس زمرہ میں جائے گا اس کا کیا ثواب ہوگا' کیا اجر ہوگا؟

تو محترم توجہ فرمائیں قربانی کی فضیلت والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قربانی بے اجر وثواب کام ہوگیا ہے قربانی کا اجر وثواب تو اپنی جگہ محقق وثابت شدہ امر ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں حدیث میں ہے کہ

((الحسنة بعشرة أمثالها إلى سبعمائة ضعف))

”نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو تک ہے۔“(١)

ہاں فضیلت قربانی والی احادیث کے ضعیف ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ جو فضیلت ان میں بیان ہوئی وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔(٢)

قربانی صرف رضائے الٰہی کے لیے کرنی چاہیے

چونکہ قربانی عبادت ہے اور کوئی بھی عبادت اس وقت تک باعث اجر نہیں ہوتی جب

---

(١) [تفسير ابن كثير المجلد الثاني پ٨ص ٢٦٣ ـ ٢٦٤]

(٢) [أحكام ومسائل (١/٤٣٨)]

تک کہ خالصتاً اللہ کے لیے نہ کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة : ٥]

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے لیے دین کو خالص کریں۔''

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما الأعمال بالنيات))

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' (١)

علاوہ ازیں قربانی کے متعلق بالخصوص ایک آیت میں یہ الفاظ موجود ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

[الأنعام: ١٦٢]

''کہہ دیجیے! بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

قربانی نہ تو غیر اللہ کے لیے جائز ہے اور نہ ہی ایسی جگہ پر درست ہے جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہو نیز ایسی قربانی بھی حلال نہیں جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لعن الله من لعن والده، ولعن الله من ذبح لغير الله، ولعن الله من آوى محدثا، ولعن الله من غير منار الأرض))

''اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والد پر لعنت کی، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے کسی بدعتی کو پناہ دی اور اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر لعنت کرے جس نے زمین کی علامات

(١) [بخاري (١) كتاب بدء الوحي]

تبدیل کر دیں۔'' (۱)

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ تمام اعمال کی طرح قربانی بھی صرف رضائے الٰہی کے لیے خالص نیت کے ساتھ کرنی چاہیے اس میں ریاء و نمود کی آمیزش یقیناً قربانی کرنے والے کے اجر و ثواب کو ضائع کر دیتی ہے اور اللہ کی لعنت کا مستحق بنا دیتی ہے۔

شرائط قربانی

(1) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو جیسا کہ پیچھے دلائل نقل کر دیے گئے ہیں۔

(2) پاکیزہ مال سے ہو حرام مال سے نہ ہو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا))

''اے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔'' (۲)

(3) سنت کے مطابق ہو جیسا کہ اگر کوئی شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لے تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ اس کا مفصل بیان آئندہ صفحات میں آئے گا۔

(4) قربانی ایسے جانوروں کی نہ ہو جن جانوروں کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ اس کا بھی تفصیلی بیان آگے آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کن کی قربانی قبول فرماتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کی قربانی قبول فرماتے ہیں جیسا کہ یہی بات واضح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ فرمایا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [المائدة : ٢٧]

---

(۱) [مسلم (۱٤۱)]

(۲) [مسلم (۲۳٤٦) كتاب الزكاة : باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها]

''آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنا دو' ان دونوں نے ایک نذرانہ پیش کیا' ان میں سے ایک کی نذر تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی تو وہ کہنے لگا میں تجھے مار ہی ڈالوں گا' اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تقوی والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔''

یہ نذر یا قربانی کس لیے پیش کی گئی؟ اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں' البتہ مشہور یہ ہے کہ ابتدا میں حضرت آدم وحوا کے ملاپ سے بیک وقت لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتی' دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی ہوتی' ایک حمل کے بہن بھائی کا نکاح دوسرے حمل کے بہن بھائی سے کر دیا جاتا۔ ہابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن بدصورت تھی' جبکہ قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بہن خوبصورت تھی' اس وقت کے اصول کے مطابق ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن کے ساتھ اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن کے ساتھ ہونا تھا لیکن قابیل چاہتا تھا کہ وہ ہابیل کی بہن کی بجائے اپنی ہی بہن کے ساتھ' جو خوبصورت تھی' نکاح کرے' حضرت آدم علیہ السلام نے اسے سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھا بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے دونوں کو بارگاہ الٰہی میں قربانیاں پیش کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی قابیل کی بہن کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔ ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی یعنی آسمان سے آگ آئی اور اسے کھا گئی جو اس کے قبول ہونے کی دلیل تھی' بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ویسے ہی دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے طور پر اللہ کی بارگاہ میں نذر پیش کی' ہابیل نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی اور قابیل نے گندم کی بالی کی قربانی پیش کی ہابیل کی قربانی قبول ہونے پر قابیل حسد کا شکار ہو گیا۔(۱)

ایک اور آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف دلوں کا تقوی ہی پہنچتا ہے قربانیوں کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) [تفسير أحسن البيان (ص/۲۹۷)]

﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَائُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾[الحج : ٢٢]

''اللہ تعالیٰ کو قربانیوں کے گوشت نہیں پہنچتے' نہ ان کے خون بلکہ اسے تو تمہارے دل کی پرہیزگاری وتقوی پہنچتا ہے۔''

حدیث نبوی ہے کہ

((عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله ﷺ : **إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم**))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی طرف دیکھتے ہیں۔''(١)

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

ایسے جانوروں کی قربانی کی جائے جن پر ''**بهيمة الأنعام**'' کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴾[الحج : ٣٤]

''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کے طریقے مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔ سمجھ لو کہ تم سب کا معبود برحق صرف ایک ہی ہے تم اسی کے تابع فرمان ہو جاؤ۔ عاجزی کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجیے۔''

''**بهيمة**'' ایسے جانوروں کو کہتے ہیں جو چار ٹانگوں والے ہوں خواہ پانی میں ہی ہوں

---

(١) [مسلم (٦٥٤٣) كتاب البر والصلة والأدب : باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله]

جیسا کہ صاحب قاموس نے اس کی یہی وضاحت کی ہے۔(۱)

اور''انعام''میں چار قسم کے نر اور مادہ جانور شامل ہیں:

(1) اونٹ (2) گائے (3) بھیڑ (4) بکری (۲)

علاوہ ازیں مذکورہ مویشیوں میں ہر ایک کا مسنہ (یعنی دوندا) ہونا بھی ضروری ہے ہاں اگر کوئی مجبوری ہو یا ایسا جانور میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیرا بھی کفایت کر جاتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((لاتذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن))

''مسنہ ہی ذبح کروالا کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ کا کھیرا ذبح کر لو۔''(۳)

یاد رہے کہ بھیڑ کے کھیرے کی اجازت کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہر حال میں اس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ آج کل بعض مقامات پر قربانی کا جانور بیچنے والے یہی کہہ کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کھیرے کی قربانی بھی جائز ہے حالانکہ اس کی قربانی صرف ایک خاص صورت (یعنی مجبوری و تنگ دستی) میں ہی جائز قرار دی گئی ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو مسنہ کے علاوہ کوئی جانور بھی کفایت نہیں کرے گا۔

مسنہ (یعنی دوندا) ایسے جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت گر چکے ہوں۔امام نووی فرماتے ہیں کہ

((المسنة هي الثنية من كل شيءٍ من الابل والبقر والغنم فما فوقها وهذا تصريح بأنه لايجوز الجذع من غير الضان في حال من الأحوال))

''مسنۃ اونٹ گائے اور بکری وغیرہ میں سے دوندے کو کہتے ہیں اور یہ واضح ہے کہ

(۱) [القاموس المحيط (بهم)]

(۲) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر فتح القدیر (۲/۲۱۰) تفسیر ابن کثیر (۳/۱۰۰)]

(۳) [مسلم (۱۱۷)]

بھیڑ کے علاوہ کسی حالت میں کھیرا قربان کرنا جائز نہیں۔''(۱)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ اہل علم فرماتے ہیں:

((المسنة هی الثنية من كل شيءٍ من الابل والبقر والغنم فما فوقها))

''دو دانتا یا اس سے بڑا جانور مسنہ ہے خواہ وہ اونٹ اونٹنی ہو' خواہ گائے بیل ہو' اور خواہ بھیڑ مینڈھا' بکری بکرا وغیرہ ہو۔''(۲)

نیز واضح رہے کہ اونٹوں میں دوندا عمر کے پانچویں سال میں ہوتا ہے' گائے میں دوندا عمر کے تیسرے سال میں ہوتا ہے' اور بکری میں دوندا عمر کے دوسرے سال میں ہوتا ہے' اور کھیرا (جذعہ) بھیڑ کا وہ بچہ ہوتا ہے جو ایک سال کا ہو اور دوندا نہ ہو۔ لہذا اونٹ' گائے اور بکری میں دوندے سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں البتہ دنبے میں (کسی مجبوری کے وقت) دوندے سے کم عمر کے جانور کی قربانی بھی جائز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((انكفأ رسول الله ﷺ إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده))

''رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔''(۳)

(2) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((كان رسول الله ﷺ يضحى بكبش أقرن فحيل ينظر فی سواد ويأكل فی سواد ويمشی فی سواد))

(۱) [شرح مسلم للنووی (۹۹/۱۳)]
(۲) [نيل الأوطار (۲۰۲/۵)]
(۳) [بخاری (۵۵۵٤) كتاب الأضاحی : باب فی أضحية النبی]

''رسول اللہ ﷺ سینگ والا موٹا تازہ مینڈھا ذبح کرتے جس کی آنکھیں' منہ اور ٹانگیں سیاہ ہوتیں۔''(۱)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أن النبی ﷺ نحر سبع بدنات بیده قیاما وضحی بالمدینة بکبشین أقرنین أملحین))

''نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔''(۲)

کس جانور کی قربانی افضل ہے؟

امام شوکانی رحمہ اللہ کا فتوی:

((وأفضلها أسمنها))

''اور افضل قربانی وہ ہے جو زیادہ موٹی تازی ہو۔''(۳)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ

((و الهدی أفضله البدنة ثم البقرة ثم الشاة))

''سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے' پھر گائے کی اور پھر بکری کی۔''(٤)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

((وأفضل الأضاحی البدنة ثم البقرة ثم الشاة ثم شرك فی بدنة ثم

---

(۱) [ابو داود (۲۷۹٦) کتاب الضحایا : باب مایستحب من الضحایا ' ترمذی (۱٤۹٦) ابن ماجة (۳۱۲۸) نسائی (۷/۲۲۱) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤۲٦)]

(۲) [ابو داود (۲۷۹۳) کتاب الضحایا : باب مایستحب من الضحایا ' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤۲٤)]

(۳) [الدرر البهية : کتاب الأضحية]

(٤) [الدرر البهية : کتاب الحج]

شرك فى بقرة))

”قربانیوں میں افضل اونٹ ہے پھر گائے ہے پھر بکری ہے پھر اونٹ میں شریک ہونا ہے اور پھر گائے میں شریک ہونا ہے۔“(۱)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((أفضل الأضاحى البدنة ثم البقرة ثم الشاة ثم شرك فى بدنة ناقة أو بقرة لقوله ﷺ فى الجمعة : ”**من راح فى الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة ومن راح فى الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ' ومن راح فى الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ومن راح فى الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة ومن راح فى الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة**“ ووجه الدلالة من ذلك وجود المفاضلة فى التقرب إلى الله بين الابل والبقر والغنم ولا شك أن الأضحية من أعظم القرب إلى الله تعالىٰ والبدنة أكثر ثمنا ولحما ونفعا وبهذا قال الأئمة الثلاثة ابو حنيفة والشافعى وأحمد وقال مالك الأفضل الجذع من الضان ثم البقرة ثم البدنة لأن النبى ﷺ ضحى بكشين وهو ﷺ لايفعل إلا الأفضل والجواب عن ذلك أن يقال أنه ﷺ قد يختار غير الأولى رفقا بالأمة لأنهم يتأسون به ولا يحب ﷺ أن يشق عليهم وقد بين فضل البدنة على البقر والغنم كما سبق ـ والله أعلم))

”قربانیوں میں افضل اونٹ' پھر گائے پھر بکری اور پھر اونٹنی یا گائے کی قربانی میں شرکت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جمعہ کے متعلق فرمایا ”جو پہلی گھڑی میں (مسجد میں) گیا گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی کی' اور جو دوسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے گائے کی قربانی کی' اور جو تیسری گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی اور

(۱) [المغنى (۱۳/ ۳٦٦)]

جو چوتھی گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک مرغی کی قربانی کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا گویا کہ اس نے ایک انڈہ قربان کیا۔''

اس حدیث میں محل شاہد اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب میں اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت کا وجود ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اونٹ قیمت' گوشت اور نفع کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ (قربانی میں) افضل بھیڑ کا کھیرا ہے پھر گائے اور پھر اونٹ ہے کیونکہ (حدیث میں ہے کہ) نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربان کیے اور آپ ﷺ صرف افضل کام ہی کیا کرتے تھے۔

اس کے جواب میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بعض اوقات غیر افضل کام کو بھی امت پر نرمی کرنے کی غرض سے اختیار فرما لیا کرتے تھے کیونکہ وہ (صحابہ) آپ ﷺ کی اقتدا کرتے تھے اور آپ ﷺ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ان پر مشقت ڈالیں لیکن آپ ﷺ نے اونٹ کی گائے اور بھیڑ بکریوں پر فضیلت بیان کر دی ہے جیسا کہ ابھی پیچھے گذرا ہے۔ (واللہ اعلم)(۱)

قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا کرنا

امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ

((وقال يحيى بن سعيد سمعت أبا أمامة بن سهل رضی اللہ عنہ، قال: كنا نسمن لأضحية بالمدينة و كان المسلمون يسمنون))

''یحییٰ بن سعیدؒ نے کہا کہ میں نے حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ، سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ ہم مدینہ میں قربانی کو موٹا تازہ کرتے تھے اور مسلمان بھی (قربانی کے جانوروں کو)

(۱) [فتاوى إسلاميه (۲/ ۳۲۰)]

موٹا کرتے تھے۔'' (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کو کھلا پلا کر موٹا اور صحت مند بنانا مستحب عمل ہے۔

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((ویسن استسمان الأضحية واستحسانها لقول الله تعالى ﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج: ۳۲] قال ابن عباس: تعظيمها استسمانها واستحسانها واستعظامها لأن ذلك أعظم لاجرها وأكثر لنفعها))

''قربانی (کے جانور) کا موٹا ہونا اور عمدہ ہونا مسنون ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہ سن لیا اب اور سنو! اللہ کی نشانیوں کی جو تعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کی وجہ سے ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی تعظیم اس کا موٹا ہونا، عمدہ ہونا اور اس کا احترام کرنا ہے، کیونکہ یہ بڑے اجر اور زیادہ فائدے کا باعث ہے۔'' (۲)

خصی جانور کی قربانی

خصی جانور کی قربانی جائز ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين))

''رسول اللہ ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے بڑے موٹے تازے سینگ والے، چتکبرے خصی مینڈھے خرید لاتے۔'' (۳)

---

(۱) [بخاری (قبل الحدیث/۵۵۵۳)]

(۲) [المغنی (۳۶۷/۱۳)]

(۳) [ابن ماجة (۳۱۲۲) کتاب الأضاحي : باب أضاحي رسول الله، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجة (۲۵۳۱)]

(2) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ

((ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجئین))

”نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کیے۔“(۱)

امام ابوقدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

((یجزی الخصی لأن النبی ﷺ ضحی بکبشین موجوئین))

”خصی جانور (قربانی میں) کفایت کر جاتا ہے کیونکہ نبی ﷺ نے دو خصی مینڈھے ذبح کیے۔“(۲)

سید سابق رحمہ اللہ کا فتوی:

((ولا باس بالأضحیة بالخصی))

”خصی جانور کی قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔“(۳)

بھینس کی قربانی

شریعت نے ایسے جانور بطور قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جن پر **بھیمة الأنعام** کا لفظ بولا جا سکتا ہو اور وہ جانور صرف اونٹ' گائے' بھیڑ اور بکری ہیں جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے اس لیے صرف انہی جانوروں کی قربانی کرنی چاہیے اور بھینس کی قربانی سے اجتناب ہی بہتر ہے بالخصوص اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے بھی بھینس کی قربانی ثابت نہیں۔

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتوی:

جو لوگ بھینس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں ان کے ہاں دلیل بس یہی ہے کہ لفظ

---

(۱) [ابو داود (۲۷۹۵) کتاب الضحایا : باب مایستحب من الضحایا ' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود (۵۹۷)]

(۲) [المغنی (۳۷۱/۱۳)]

(۳) [فقه السنة(۱۹۶/۳)]

بقر اس کو بھی شامل ہے یا پھر اس کو بقر پر قیاس کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ گائے کی قربانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، عمل اور تقریر سے ثابت ہے لہذا گائے کی قربانی کی جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تینوں طریقوں سے ثابت ہے۔ (واللہ اعلم)(۱)

مبشر احمد ربانی کا فتوی:

قربانی کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ......﴾ [الحج: ٣٤] ''اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کی جگہ مقرر کی تھی تاکہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے ان کو مویشی چوپایوں میں سے دیئے تھے ان پر اللہ کا نام ذکر کریں۔''

اس آیت کریمہ میں قربانی کے جانوروں کے لیے ''بهيمة الأنعام'' کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اور أنعام سے مراد یہاں پر اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہیں جن کی تشریح قرآن پاک کی دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ ءَالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ [الأنعام: ١٤٣ ـ ١٤٥]

''اور اس نے چوپایوں میں سے بار برداری والے پیدا کیے اور فرشی چوپائے بھی' جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا اس میں سے کھاؤ' شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ چوپائے آٹھ قسم کے ہیں: بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو۔ کہہ دیجیے کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر حرام کیے یا دونوں مادہ یا اس کو جس کو دونوں مادہ پیٹ میں لیے ہوئے ہیں؟ تم مجھے کسی دلیل سے بتاؤ اگر تم سچے ہو اور

(۱) [احکام و مسائل (۱/ ٤٤٠)]

اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ 'انعام' کا اطلاق اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری پر ہوتا ہے امام قرطبیؒ "من بهيمة الأنعام" کی تشریح میں رقمطراز ہیں:

((والأنعام هنا الابل والبقر والغنم وبهيمة الأنعام هي الأنعام فهو كقولك صلاة الاولى ومسجد الجامع))

"انعام سے مراد یہاں اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہے اور "بهيمة الانعام" سے مراد انعام ہی ہے یہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں "صلاۃ الاولی اور مسجد الجامع۔" (١)

نواب صدیق حسن خانؒ رقمطراز ہیں کہ

"انعام کی قید اس لیے لگائی گئی کہ قربانی انعام کے سوا اور کسی جانور کی درست نہیں اگرچہ اُس کا کھانا حلال ہی ہو۔" (٢)

مزید فرماتے ہیں کہ

"بهيمة الانعام"۔ سے اونٹ' گائے اور بکری مراد ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام میں مفصل بیان فرمایا۔" (٣)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ

((وفيه إشارة إلى أن القربان لايكون إلا من الأنعام دون غيرها))

"اس میں اشارہ ہے کہ انعام کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی نہیں ہوتی۔" (٤)

انعام کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

((وهي الابل والبقر والغنم))

---

(١) [تفسير قرطبي ٣٠/١٢]

(٢) [ترجمان القرآن (ص/٧٤١)]

(٣) [ترجمان القرآن (٧٢٧)]

(٤) [فتح القدير (٤٥٢/٣)]

''اور وہ اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہیں۔'' (۱)

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ''بھیمۃ الانعام'' سے مراد اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری ہیں اور انہی کی قربانی کرنی چاہیے۔ بھینس ان چار قسم کے چوپایوں میں سے نہیں۔

علامہ سید سابقؒ فرماتے ہیں کہ

((ولا تکون إلا من الابل والبقر والغنم ولا یجزئ من غیرها هذه الثلاثة یقول الله سبحانه'' لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ''))

''قربانی اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری کے علاوہ جائز نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وہ یاد کریں اللہ تعالیٰ کا نام اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے انہیں مویشی چوپایوں میں سے عطا کیا۔'' (۲)

یہی موقف حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے فتاوی اہلحدیث [۴۲۶/۲] میں اختیار کیا ہے فرماتے ہیں بعض نے جو یہ لکھا ہے ((الجاموس نوع من البقر)) یعنی بھینس گائے کی قسم ہے یہ بھی اسی زکاۃ کے لحاظ سے صحیح ہوسکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔ احناف کے ہاں بھینس کی قربانی کی جاسکتی ہے اور یہ بقر میں داخل ہے۔ ہدایہ کتاب الاضحیہ [۳۵۹/۴] بیروت میں ہے۔

((ویدخل فی البقر الجاموس لأنه من جنسه))

''گائے میں بھینس داخل ہے اس لیے کہ یہ گائے کی جنس سے ہے۔''

فتاوی ثنائیہ [۸۱۰/۱] میں لکھا ہے حجاز میں بھینس کا وجود ہی نہ تھا پس اس کی قربانی نہ سنت رسول ﷺ سے ثابت ہوتی ہے نہ تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہاں اگر اس کو جنس بقر سے مانا جائے جیسا کہ حنفیہ کا قیاس ہے (کمافی الھدایۃ) یا عموم ((بھیمۃ الانعام)) پر نظر ڈالی

---

(۱) [فتح القدیر(۴۵۱/۳)]

(۲) [فقه السنة (۲۶۴/۳)]

جائے تو حکم جواز قربانی کے لیے یہ علت کافی ہے از مولانا ابو العلاء نظر احمد کسوانی' آئمہ اسلام کے ہاں جاموس (بھینس) کا جنس بقر سے ہونا مختلف فیہ ہے۔

مبنی بر احتیاط اور راجح یہی مؤقف ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ مسنون قربانی اونٹ' گائے' بھیڑ' بکری سے کی جائے جب یہ جانور موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے مشتبہ امور سے اجتناب ہی کرنا چاہیے اور دیگر بحث ومباحثے سے بچنا ہی اولی و بہتر ہے۔

کن جانوروں کی قربانی جائز نہیں؟

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((أربع لاتجوز فی الأضاحی : العوراء بین عورها والمریضة بین مرضها والعرجاء بین ظلعها والکسیر التی لاتنقی))

''چار جانور قربانی میں جائز نہیں: واضح طور پر آنکھ کا کانا' ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو' لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو' اور ایسا کمزور جس میں چربی نہ ہو۔'' (۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((أمرنا رسول اللهﷺ أن نستشرف العین والأذن))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں۔'' (۲)

ان احادیث میں جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں اگر کسی جانور میں وہ موجود ہوں تو اس کی قربانی ناجائز ہوگی۔

---

(۱) [ابو داود (۲۸۰۲) کتاب الضحایا : باب مایکره من الضحایا' نسائی (۲۱٤/۷) ترمذی (۱٤۹۷) ابن ماجة (۳۱٤٤) مؤطا (٤۸۲/۲) دارمی (۷٦/۲-۷۷) احمد (۳۰۱/٤) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤۳۱)]

(۲) [ابو داود (۲۷۰٤) کتاب الضحایا : باب ما یکرة من الضحایا' ترمذی (۱٤۹۸) نسائی (۲۱٦/۷) ابن ماجة (۳۱٤۲) دارمی (۷۷/۲) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۵۳۹/۲) إرواء الغلیل (۱۱٤۹)]

بیمار جانور کی قربانی

ایسی معمولی بیماری جو غیر واضح ہو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر کسی جانور کی بیماری واضح ہو تو اسے بطور قربانی ذبح کرنا جائز نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار قسم کے جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا اور ان میں ایک یہ بھی ہے:

((والمريضة التي بين مرضها))

''ایسا بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو۔''(۱)

حاملہ جانور کی قربانی

حاملہ جانور کی قربانی جائز و درست ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس پر شاہد ہے:

((عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ قال : سألت رسول الله ﷺ عن الجنين فقال : **كلوه إن شئتم** وقال مسدد قلنا يا رسول الله ننحر الناقة و نذبح البقرة و الشاة فنجد في بطنها الجنين أنلقيه أم ناكله ؟ قال : **كلوه إن شئتم فإن ذكاته ذكاة أمه**))

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پیٹ کے بچے کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم چاہو تو اسے کھالو'' اور مسدد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹنی' گائے اور بکری ذبح کرتے ہیں تو ہم اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا اسے کھالیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم چاہو تو اسے کھالو کیونکہ اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہی ہے۔''(۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ جانور خواہ اونٹنی ہو' گائے ہو یا بکری ہو اسے قربانی کے لیے ذبح کیا جا سکتا ہے اور اس کے پیٹ کے بچے کو ذبح کیے بغیر کھانا درست ہے

---

(۱) [ابو داود (۲۸۰۲) کتاب الضحايا : باب مايكرة من الضحايا]

(۲) [ابو داود (۲۸۲۷) کتاب الضحايا : باب ماجاء في ذكاة الجنين ' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحيح ابو داود (۲٤٥۱)]

لیکن اگر اسے پھینک دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے صحابہ کو لازمی طور پر پیٹ کا بچہ کھانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسے ان کی طبیعت و چاہت پر ہی معلق رکھا۔

علاوہ ازیں بعض حضرات نے جو اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے ''بچے کو بھی اسی طرح ذبح کرو جیسے تم اس کی ماں کو ذبح کرتے ہو۔'' یہ تاویل نہایت فاسد و بے بنیاد ہے اور مذکورہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی اس کا رد کرتی ہے۔

قربانی کے جانور پر سوار ہونا

((عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة فقال : اركبها ، فقال : إنها بدنة فقال : اركبها فقال : إنها بدنة، قال : اركبها ويلك في الثالثة أو في الثانية))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو قربانی کا جانور لے جاتے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جا۔ اس نے کہا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا افسوس! سوار بھی ہو جا (ویلک آپ ﷺ نے) دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا۔'' (۱)

اس حدیث کی شرح میں مولانا داود راز نقل کرتے ہیں کہ ''زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ سائبہ وغیرہ جو جانور مذہبی نیاز نذر کے طور پر چھوڑ دیتے ان پر سوار ہونا معیوب جانا کرتے تھے۔ قربانی کے جانوروں کے متعلق بھی جو کعبہ میں لے جائی جائیں ان کا ایسا ہی تصور تھا۔ اسلام نے اس غلط تصور کو ختم کیا اور آنحضرت ﷺ نے باصرار حکم دیا کہ اس پر سواری کرو تا کہ راستہ کی تھکن سے بچ سکو۔ قربانی کا جانور ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسے معطل کر کے چھوڑ دیا جائے۔ اسلام اسی لیے دین فطرت

(۱) [بخاری (۱٦٨٩) كتاب الحج : باب ركوب البدن ، مسلم (۲۳۲۳) ترمذی (۹۱۱) نسائی (۱۷٦/٥) ابن ماجه (۳۱۰٤)]

ہے کہ اس نے قدم قدم پر انسانی ضروریات کو ملحوظ نظر رکھا ہے اور ہر جگہ عین ضروریات انسانی کے تحت احکامات صادر کیے ہیں۔(۱)

مزید اسی حدیث کے متعلق امام ترمذیؒ رقمطراز ہیں کہ

((حدیث أنس حدیث حسن صحیح وقد رخص قوم من أهل العلم من أصحاب النبیﷺ وغیرهم فی رکوب البدنة إذا احتاج إلی ظهرها وهو قول الشافعی وأحمد وإسحاق وقال بعضهم لا یرکب مالم یضطر إلیها))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح حدیث ہے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت نے قربانی کے اونٹ پر سواری کی رخصت دی ہے جبکہ وہ شخص اس کی سواری کا محتاج ہو اور یہی قول امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ جب تک وہ شخص اس کی طرف مجبور نہ ہو جائے سواری نہ کرے۔''(۲)

کیا قربانی کا جانور فروخت کیا جا سکتا ہے؟

اگر انسان قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو پھر اسے فروخت کرنا درست نہیں کیونکہ اب وہ جانور اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اب اسے صرف اللہ کے لیے قربان کرنا ہی ضروری ہے بعینہ جیسے وقف شدہ مال کو نہ فروخت کرنا جائز ہے' نہ ہبہ کرنا جائز ہے اور نہ ہی وراثت میں تقسیم کرنا جائز ہے بلکہ اسے صرف اللہ کے لیے صرف کرنا ہی ضروری ہے۔(۳)

ہاں اگر اسے فروخت کرنے سے مقصود اسے تبدیل کرنا ہے تو درست ہے مثلاً اگر کوئی شخص بکری خرید لایا ہے لیکن پھر وہ اسے فروخت کر کے گائے خریدنا چاہتا ہے تو یہ درست

(۱) [شرح بخاری (۴۲/۳)]

(۲) [ترمذی کتاب الحج : باب ماجاء فی رکوب البدنة]

(۳) [مسلم (۴۲۲۴) کتاب الوصیة : باب الوقف]

ہے کیونکہ یہ افضل قربانی کی طرف پیشرفت ہے۔ اور اس صورت میں بھی فروخت کرنا جائز ہے کہ اگر جانور خریدنے کے بعد علم ہو کہ یہ بیمار ہے یا اس میں کوئی ایسا نقص ہے جس وجہ سے یہ قربانی کے قابل نہیں تو اسے فروخت کر کے دوسرا جانور خریدا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

قربانی کا جانور فروخت کرنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ (اسے) فروخت کر دینا نہ تو کھانا ہے، نہ ذخیرہ کرنا ہے اور نہ ہی صدقہ کرنا ہے (کیونکہ قربانی کے جانور کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صرف انہی تینوں افعال کا حکم دیا ہے ((كلوا وادخروا وتصدقوا)) "اور یہ تینوں فروخت کر دینے میں موجود نہیں) اور اسی طرح فروخت کر دینا اس چیز کے بھی خلاف ہے جس کا قربانی فائدہ دیتی ہے یعنی تقرب وغیرہ۔" (۱)

قربانی کرنے والا کن امور سے اجتناب کرے؟

جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((إذا رأيتم هلال ذى الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فليمسك عن شعره وأظفاره))

"جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رک جائے۔" (۲)

(2) ایک اور روایت میں ہے کہ

---

(۱) [السيل الجرار(۲٤٦/۳)]

(۲) [مسلم (۳٦٥٥) كتاب الأضاحي : باب نهي من دخل عليه عشر ذى الحجة وهو مريد التضحية أن يأخذ من شعره وأظفاره شيئا ' نسائي (۲۱۱/۷) ابن ماجة (۳۱٤۹) بيهقي (۲٦٦/۹) احمد (۲۸۹/٦)]

((من کان لہ ذبح یذبحه فاذا أھل ھلال ذی الحجة فلا یأخذن من شعره وأظفاره حتی یضحی))

''جس کے پاس قربانی کے لیے کوئی جانور ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کر لینے تک ہرگز اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔''(۱)

امام نوویؒ رقمطراز ہیں کہ

''حضرت سعید بن مسیب' امام ربیعہ' امام احمد' امام اسحاق' امام داود اور بعض اصحاب شافعی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ ایسے شخص پر اپنے بال اور ناخن میں سے کچھ بھی کاٹنا اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ وہ شخص قربانی کے وقت میں قربانی نہ کر لے۔''(۲)

امام ابن قدامہ حنبلیؒ نے بھی ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کا ارادہ رکھنے والے شخص پر بال اور ناخن کاٹنے کی حرمت کا ہی رجحان ظاہر کیا ہے۔(۳)

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((من أراد أن یضحی فلیس له أن یاخذ من شعره ولا من أظفاره ولا من بشرته شیئا إذا دخل ذو الحجة حتی یضحی))

''جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بال اور اپنے ناخن اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ بھی کاٹے جبکہ ماہ ذوالحجہ شروع ہو چکا ہو حتی کہ قربانی کر لے۔''(٤)

جو قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟

جس شخص کا قربانی کا ارادہ نہ ہو اس کے لیے بال اور ناخن کاٹنے کی ممانعت کسی صحیح

(۱) [مسلم (۱۹۷۷) نسائی (۲۱۲/۷) ترمذی (۱۵۲۳) ابو داود (۲۷۹۱) شرح معانی الآثار (۲۰۵/۲) حاکم (۲۲۰/٤) بیهقی (۲٦٦/۹) احمد (۳۰۱/٦)]

(۲) [شرح مسلم (۱۵٤/۷)]

(۳) [المغنی (۳٦۳/۱۳)]

(٤) [فروق إسلامیه (۳۱۷/۲)]

حدیث سے ثابت نہیں ہاں ایسا شخص اگر قربانی کا اجر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ عید کے روز اپنے بال اور ناخن تراش لے' مونچھیں کاٹ لے اور زیر ناف مونڈھ لے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال : **أمرت بيوم الأضحى عيدا جعله الله لهذه الأمة** ' قال الرجل أرأيت إن لم أجد إلا منيحة أنثى أفأضحى بها ؟ قال : **لا ' ولكن تاخذ من شعرك وأظفارك وتقص شاربك وتحلق عانتك فتلك تمام أضحيتك عند الله**))

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے یوم الأضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے ایک آدمی نے عرض کیا آپ مجھے بتلائیں کہ اگر میں قربانی کے لیے مونث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' لیکن تم اپنے بال اور ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ تیری مکمل قربانی ہو جائے گی۔'' (۱)

جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے کیا وہ بھی بال اور ناخن نہ کاٹے؟

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

((وورد في الحديث الصحيح " **إذا دخل العشر وأراد أحدكم أن يضحى فلا ياخذ من شعره ولا من بشرته شيئا** "ولم يذكر من يضحى عنه غيره لكن بعض العلماء كره الأخذ أيضا ممن يضحى عنه غيره مع أن من أخذ منهم شيئا فلا فدية عليه ولا تبطل أضحيته ولا يترك التضحية وهي مقبولة عنه إن شآء اللّٰه تعالىٰ))

(۱) [ابو داود (۲۷۸۹) كتاب الضحايا : باب ماجآء في إيجاب الأضاحي ' نسائی (٤٣٧٧) ابن حبان (١٠٤٣) حاكم (٢٢٣/٤) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''جب عشرہ ذوالحجہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور اپنے چمڑے (یعنی جسم) سے کچھ نہ کاٹے'' (اس حدیث میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا ذکر نہیں کیا جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو لیکن بعض علما نے ایسے شخص کا (بال وغیرہ) کاٹنا بھی ناپسند کیا ہے جس کی طرف سے کوئی اور قربانی کر رہا ہو (لیکن) اس کے ساتھ (انہوں نے یہ بھی کہا ہے) کہ ان میں سے جس نے کسی چیز کو کاٹا' نہ تو اس پر کوئی فدیہ ہے' نہ اس کی قربانی باطل ہوگی اور نہ ہی اسے قربانی کرنے سے پیچھے ہٹنا چاہیے وہ انشاء اللہ اس کی طرف سے قبول ہو جائے گی۔'' (۱)

قربانی کا وقت

قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے اور جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کی خواہ وہ کسی بھی علاقے میں ہو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ اسے نماز عید کے بعد قربانی کے لیے دوسرا جانور ذبح کرنا پڑے گا۔

(1) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((من ذبح قبل الصلاة فانما يذبح لنفسه ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين))

''جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کر لیتا ہے وہ صرف اپنے کھانے کے لیے جانور ذبح کرتا ہے اور جو نماز عید کے بعد قربانی کرے اس کی قربانی پوری ہوتی ہے اور وہ مسلمانوں کی سنت کو پالیتا ہے۔'' (۲)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((من ذبح قبل الصلاة فليعد))

(۱) [فتاوى إسلامية (۲/۳۱۸)]

(۲) [بخاری (۵۵۵۶) كتاب الأضاحي : باب قول النبي ﷺ لأبي بردة......]

''جس نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح کرلیا وہ دوبارہ قربانی کرے۔'' (١)

(3) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوران خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

((إن أول مـا نبـدأ من يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر فمن فعل هذا فقد أصاب سنتنا ومن نحر فإنما هو لحم يقدمه لأهله ليس من النسك شيء فقال أبو بردة يا رسول الله ﷺ ذبحت قبل أن أصلي وعندي جذعة خير من مسنة فقال : **اجعلها مكانها ولم تجزي أو توفي عن أحد بعدك))**

''آج کے دن کی ابتداء ہم نماز عید سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو شخص اس طرح کرے گا وہ قربانی کو پالے گا لیکن جس نے (نماز عید سے پہلے) جانور ذبح کرلیا تو وہ ایسا گوشت ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لیے تیار کیا ہے وہ قربانی کسی درجہ میں بھی نہیں' حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے تو عید کی نماز سے پہلے قربانی کرلی ہے البتہ میرے پاس ابھی ایک سال سے کم عمر کا ایک بکری کا بچہ ہے اور سال بھر کی بکری سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی کی قربانی اس کے بدلہ میں کرلو لیکن تمہارے بعد یہ کسی کے لیے جائز نہ ہوگا۔'' (٢)

(4) ((عن جندب رضی اللہ عنہ قال : شهدت النبي ﷺ يوم النحر فقال : **من ذبح قبل أن يصلي فليعد مكانها أخرى' ومن لم يذبح فليذبح))**

''حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کرلی ہو

---

(١) [بخاري (٥٥٦١' ٥٥٤٩) كتاب الأضاحي : باب من ذبح قبل الصلاة أعاد' مسلم (١٥٥٤) نسائي (٤٤٠٨) ابن ماجة (٣١٥١)]

(٢) [بخاري (٥٥٦٠) كتاب الأضاحي : باب الذبح بعد الصلاة]

وہ اس کی جگہ دوبارہ کرے اور جس نے قربانی ابھی نہ کی ہو وہ کر دے۔'' (۱)

قربانی کتنے دن کی جا سکتی ہے؟

عیدالأضحیٰ اور اس کے بعد تین دن یعنی تیرہ (13) ذوالحجہ کی شام تک قربانی کی جا سکتی ہے کیونکہ عیدالأضحیٰ کے بعد 12,11 اور 13 ذوالحجہ کے دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔(۲) اور تمام ایام تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: **كل أيام التشريق ذبح**))

''تمام ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔'' (۳)

اگرچہ اس حدیث کے منقطع ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے لیکن امام ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح ابن حبان میں اسے موصول بیان کیا ہے اور امام ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو مرفوع بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ احمد وغیرہ کے رجال ثقہ ہیں۔(٤)

امام شوکانی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

انہوں نے اس ضمن میں پانچ مختلف مذاہب ذکر کرنے کے بعد اس مذہب کو ترجیح دی ہے کہ

((أيام التشريق كلها أيام ذبح وهي يوم النحر و ثلاثة أيام بعده))

''سارے ایام تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ دن یہ ہیں: یوم النحر اور اس کے بعد تین دن۔'' (٥)

---

(۱) [بخاری (٥٥٦٢) كتاب الأضاحي : باب من ذبح قبل الصلاة أعاد]

(۲) [تفسير أحسن البيان (ص/٨٢) نيل الأوطار (٣/٤٩٠)]

(۳) [احمد (٨٢/٤) صحيح ابن حبان (٣٨٤٢) السنن الكبرى للبيهقي (٢٩٥/٩) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[صحيح الجامع الصغير (٤٥٣٧)]

(٤) [بلوغ الأماني للبنا (٩٤/١٣-٩٥]

(٥) [نيل الأوطار (١٢٥/٥)]

امام نوویؒ کا فتویٰ:

انہوں نے بھی اسی (امام شوکانیؒ کے قول) کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔(۱)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام عطا، امام حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، امام سلیمان بن موسی الأسدی، امام مکحول، امام شافعی، اور امام داود ظاہری رحمہم اللہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔(۲)

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

''ایام تشریق ذبح کے دن ہیں'' مرفوع حدیث دار قطنی وغیرہ میں موجود ہے اور معلوم ہے کہ تشریق یوم نحر کے بعد تین دن 11، 12 اور 13 ذوالحجہ ہیں۔ ان تین دن میں یوم النحر کو جمع کر لیں تو چار دن ہی ہیں۔ باقی جو لوگ تین دن کے قائل ہیں ان سے قرآن مجید کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مرفوع حدیث طلب فرمائیں تو جو آیت یا مرفوع حدیث وہ پیش فرمائیں گے اسی سے چار دن بھی نکل آئیں گے ان شاء اللہ الرحمان۔(۳)

البتہ بعض فقہاء نے یوم النحر کے بعد مزید صرف دو دنوں تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ہے ((الأضحی یومان بعد یوم الأضحی)) ''قربانی یوم الأضحیٰ کے بعد دو دن ہے۔''(٤)

لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ پہلی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایت محض ان کا اپنا قول ہی ہے اس لیے پہلی حدیث کو ترجیح دی جائے گی نیز جس روایت میں ایک دن کم کا ذکر ہے اس میں زیادتی کی نفی بھی نہیں ہے۔

---

(۱) [شرح مسلم (۱۲۸/۷)]
(۲) [نیل الأوطار (٤۹۰/۳) بیهقی (۲۹٦/٥، ۲۹۷)]
(۳) [احکام و مسائل (٤۳۸/۱)]
(٤) [مؤطا (٤۸۷/۲) بیهقی (۲۹۷/۹) شرح مسلم للنووی (۱۲۸/۷)]

کس دن کی قربانی افضل ہے؟

اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ پہلے دن کی قربانی افضل ہے کیونکہ نبی ﷺ ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہے۔ آپ ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور قربانی کرتے رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے سو اونٹ قربان کیے۔ ان سب قربانیوں میں آپ ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ آپ ﷺ پہلے دن قربانی کرتے جیسا کہ ایک حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ

((عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ : **إن أول ما نبدأ به في يومنا هذا نصلي ثم نرجع فننحر، من فعله فقد أصاب سنتنا**))

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''آج (عیدالاضحیٰ کے دن) کی ابتدا ہم نماز (عید) سے کریں گے پھر واپس آ کر قربانی کریں گے جو اس طرح کرے گا وہ ہماری سنت کے مطابق عمل کرے گا۔'' (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جس دن نماز عید پڑھتے اسی دن قربانی کرتے اور یہ بات دلیل کی محتاج نہیں کہ نماز عید پہلے دن ہی ادا کی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور حدیث سے بھی پہلے دن کی افضیلت معلوم ہوتی ہے:

((عن عبداللہ بن قرط عن النبی ﷺ قال : **إن أعظم الأيام عندالله يوم النحر ثم يوم القر**))

''حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنوں میں سب سے عظیم دن یوم النحر (یعنی عید کا پہلا دن) ہے پھر یوم القر (یعنی دوسرا دن) ہے۔'' (۲)

---

(۱) [بخاری (۵۵۴۵) کتاب الأضاحی: باب سنة الأضحية]

(۲) [ابو داود (۱۷۶۵) کتاب المناسك : باب الهدى إذ اعطب قبل أن يبلغ، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۱۵۵۲)]

مذکورہ دلائل سے معلوم ہوا کہ ایام عید میں سے افضل دن پہلا ہے اور نبی ﷺ بھی پہلے دن میں ہی قربانی کیا کرتے تھے لہذا پہلے دن کی قربانی ہی افضل ہے لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ آخری دنوں میں قربانی کرنے سے غرباء ومساکین کو زیادہ فائدہ ہوسکتا ہے تو بعض علماء نے اسے بھی پہلے دن کے برابر ہی قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)

قربانی کی جگہ

بہتر یہ ہے کہ عیدگاہ میں قربانی کی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

((کان رسول اللہ ﷺ یذبح وینحر بالمصلی))

"رسول اللہ ﷺ (قربانی) ذبح اور نحر عیدگاہ میں کیا کرتے تھے۔" (۱)

لیکن اگر کوئی گھر میں قربانی کر لیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عیدگاہ میں قربانی کرنا لازمی قرار نہیں دیا۔

قربانی کے لیے چھری خوب تیز ہونی چاہیے

(1) حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا ذبحتم فأحسنوا الذبح وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته))

"جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ایک اپنی چھری تیز کرے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔" (۲)

---

(۱) [بخاری (۵۵۵۲) کتاب الأضاحی : باب الأضحی والنحر بالمصلی ' ابن ماجة (۳۱۶۱) کتاب الأضاحی : باب الذبح بالمصلی ' ابو داود (۲۸۱۱) کتاب الضحایا : باب الإمام یذبح بالمصلی]

(۲) [ابو داود (۲۸۱٤) کتاب الضحایا : باب فی النهی أن تصبر البهائم والرفق بالذبیحة' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤٤۱)]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانور قربان کرنے سے پہلے چھری کو خوب اچھی طرح تیز کر لینا چاہیے تا کہ جانور آسانی سے ذبح ہو جائے اور اسے زیادہ تکلیف نہ ہو کیونکہ گذشتہ روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

((إن اللّٰه كتب الإحسان على كل شئ فإذا قتلتم فأحسنوا))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان لکھ دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو (اس میں بھی) احسان کرو۔''

(2) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((نهى رسول الله ﷺ أن تصبر البهائم))

''رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔''(۱)

(3) ((عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول الله ﷺ أمر بكبش أقرن ' يطأ في سواد ' ويبرك في سواد ' وينظر في سواد ' فاتي به ليضحي به ' قال لعائشة : **هلمي المدية** ' ثم قال : **اشحذيها بحجر** ففعلت ' ثم أخذها ' وأخذ الكبش فأضجعه ' ثم ذبحه ' ثم قال : **باسم الله ' اللّٰهم ! تقبل من محمد وآل محمد ' ومن أمة محمد** ' ثم ضحى به))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگ والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ' پاؤں' پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں۔ تو وہ قربانی کے لیے لایا گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا چھری لاؤ۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اسے پتھر کے ساتھ تیز کرو تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے چھری کو پکڑا اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا۔ پھر کہا ''اللہ کے نام کے ساتھ' اے اللہ! محمد' آل محمد

(۱) [ابو داود (۲۸۱۵) كتاب الضحايا : باب في النهي أن تصبر البهائم والرفق بالذبيحة ' شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابو داود (۲٤٤۲)]

اور اُمت محمد کی طرف سے قبول فرما'' پھر آپ ﷺ نے اسے ذبح کر دیا۔''(۱)

جانور قبلہ رخ لٹانا چاہیے

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے قربانی کے دن سینگ والے دو چتکبرے، خصی مینڈھے ذبح کیے۔ پس جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کر لیا تو کہا:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ))

پھر آپ ﷺ نے ذبح کر دیا۔''(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے قبلہ رخ کیا۔ اس لیے یہ عمل بھی مسنون ہے۔

جانور کے پہلو پر پاؤں رکھنا

جانور ذبح کرتے وقت اس کے پہلو پر پاؤں رکھنا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((ضحی النبی ﷺ بکبشین أملحين فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما))

''نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی میں نے دیکھا کہ

(۱) [مسلم (۵۰۹۱) كتاب الاضاحی : باب استحباب استحسان الضحية ، وذبحها مباشرة بلا توكيل ، والتسمية والتكبير]

(۲) [ابو داود (۲۷۹۵) كتاب الضحايا : باب ما يستحب من الضحايا ، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔]

آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں ان جانوروں کے پہلوؤں پر رکھے ہوئے ہیں۔'' (۱)

اونٹ نحر کرنے کا طریقہ

اونٹ کو ذبح نہیں بلکہ نحر کرنا چاہیے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کا اگلا بایاں گھٹنا باندھ کر اسے تین ٹانگوں پر کھڑا کر دینا چاہیے اور کوئی تیز دھار چیز مثلاً چھری' چاقو' نیزہ یا برچھی وغیرہ اس کی گردن میں مارنی چاہیے آہستہ آہستہ خون بہہ جائے گا اور اونٹ ایک طرف گر جائے گا پھر اس کی کھال وغیرہ اتار کر گوشت بنا لینا چاہیے اونٹ کو نحر کرنے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا﴾[الحج : ٣٦]

''قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں تمہیں نفع ہے پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب ان کے پہلوز مین سے لگ جائیں تو اس سے کھاؤ۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ''صواف'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ''قیاما معقولة'' یعنی ایک ٹانگ باندھ کر کھڑا کرنا ہے۔(۲)

امام شوکانی رحمہ اللہ آیت ﴿فإذا وجبت جنوبها﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وجوب (سے مراد) ساقط ہونا ہے یعنی جب نحر ہونے کے بعد اونٹ گر جائے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کی روح نکل جاتی ہے۔(۳)

---

(۱) [بخاری (۵۵۵۸) کتاب الأضاحی : باب من ذبح الأضاحی بیده' مسلم (۵۰۸۷) کتاب الأضاحی : باب استحباب استحسان الضحیة]

(۲) [تفسیر فتح القدیر (۵۵۸/۳)]

(۳) [تفسیر فتح القدیر (۵۵٦/۱۳)]

(2) ((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه أتى على رجل قد أناخ بدنته وهو ينحرها فقال ابعثها قياما مقيدة سنة محمد ﷺ))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جس نے اونٹ کو ذبح کرنے کی غرض سے بٹھا رکھا تھا تو انہوں نے کہا ''اس کا گھٹنا باندھ کر اسے کھڑا کرو یہی محمد ﷺ کی سنت ہے۔'' (۱)

(3) ((عن جابر رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ وأصحابه كانوا ينحرون البدن معقولة اليسرى قائمة على ما بقي من قوائمها))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اونٹ کی بائیں ٹانگ باندھ کر اسے نحر کرتے تھے اور وہ اپنی باقی ٹانگوں پر کھڑا ہوتا تھا۔'' (۲)

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ ((فنحر رسول الله ﷺ بيده ثلاثا وستين بدنة جعل يطعنها بحربة في يده))

''رسول اللہ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ ﷺ اونٹوں کی گردنوں میں اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ مارتے تھے۔'' (۳)

زندہ جانور سے کاٹا ہوا گوشت حرام ہے

جانور کو ذبح یا نحر کرنے کے بعد جب تک اچھی طرح اس کا خون بہہ کر روح نہ نکل

(۱) [بخاری (۱۷۱۳) کتاب الحج : باب نحر الإبل مقيدة، مسلم (۱۳۲۰) ابو داود (۱۷۶۸) احمد (۳/۲) ابن حبان (۵۹۰۳)]

(۲) [ابو داود (۱۷۶۷) کتاب المناسك : باب كيف تنحر البدن، شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۱۵۵۳)] شیخ عبدالرزاق مہدی حفظہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔[التعليق على تفسير ابن كثير (۴۳۸/۴)]

(۳) [مسلم (۱۲۱۸)]

جائے اس کا گوشت بنانا شروع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر زندہ جانور سے ہی گوشت کاٹ لیا جائے تو وہ حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((ما قطع من البهيمة وهي حية فهو ميت))

''زندہ جانور سے جو کچھ کاٹ لیا جائے وہ مردار ہے۔'' (۱)

چھری چلانے سے پہلے دعا پڑھنا

چھری چلانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے مختلف دعائیں ثابت ہیں ان میں سے چند اہم مندرجہ ذیل ہیں:

(1) بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ:

جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((ضحى النبي ﷺ بكبشين أملحين أقرنين ذبحهما بيده و سمى و كبر))

''نبی ﷺ نے سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھا۔'' (۲)

(2) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانور ذبح کرتے وقت یہ الفاظ کہے:

((بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ))

''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے یہ (جانور) میری طرف سے اور اس

(۱) [أبو داود (۲۸۵۸) كتاب الصيد : باب في صيد قطع منه قطعة ' ترمذی (۱٤۸۰) أحمد (۲۱۸/٥) ابن الجارود (۸۷٦) دار قطنی (۲۹۲/٤) حاكم (۲۳۹/٤) بیهقی (۲٤٥/۹) شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[غاية المرام (٤۱)]

(۲) [بخاری (٥٥٦٥) كتاب الأضاحي : باب التكبير عند الذبائح]

کی طرف سے ہے جس نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی۔" (۱)

(3) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈھے کو پکڑ کر لٹایا اور ذبح کرتے وقت کہا:

((اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ))

"اے اللہ تو محمد کی طرف سے' آل محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے (اس جانور کی قربانی) قبول فرما۔" (۲)

(4) سنن ابی داود کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز دو مینڈھے قربان کیے اور جب ان دونوں کو قبلہ رخ کیا تو یہ کلمات کہے:

((وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ))

پھر (انہیں) ذبح کر دیا۔ (۳)

ہر خون بہا دینے والی چیز سے ذبح کرنا جائز ہے سوائے......

سوائے دانت اور ناخن کے' جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کا واضح ثبوت ہے:

(1) ((عن رافع بن خديج رضى الله تعالى عنه عن النبى ﷺ قال : ما أنهر

(۱) [ابو داود (۲۸۱۰) كتاب الضحايا : باب فى الشاة يضحى بها عن جماعة' ترمذی (۱۵۲۰) احمد (۳۶۲/۳) حاكم (۲۲۹/٤) بيهقى (۲۷۵/٤) شیخ البانی ؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحيح ابو داود (۲٤۳٦)]

(۲) [مسلم (۱۹٦۷) كتاب الأضاحى : باب استحباب استحسان الضحية وذبحها مباشرة بلا توكيل التسمية والتكبير' احمد (۷۸/٦) ابو داود (۲۷۹۲)]

(۳) [ابو داود (۲۷۹۵) كتاب الضحايا : باب مايستحب من الضحايا]

آلدم و ذکر اسم اللہ علیه فکل لیس السن و الظفر ، أما السن فعظم و أما الظفر فمدی الحبشة))

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ''جو چیز خون کو بہادے اور اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اس جانور کو کھالو۔ ذبح کرنے کا آلہ دانت اور ناخن نہیں کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔'' (۱)

یہ حدیث مطلق دانت اور ناخن سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے (یعنی) دانت اور ناخن خواہ انسان کا ہو یا کسی اور جانور کا' الگ اور جدا ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہو' خواہ لوہے سے بنایا ہو (ہر صورت میں ان دونوں سے ذبح کرنا ممنوع ہے)۔ (۲)

(2) ((وعن کعب بن مالك رضی اللہ عنہ أن امرأة ذبحت شاة بحجر فسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالك' فامر بأكلها))

''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر سے ایک بکری کو ذبح کر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے کھانے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کا حکم فرمایا۔'' (۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھری کے علاوہ اور چیزوں سے بھی جانور ذبح کرنا درست ہے بشرطیکہ اس سے خون بہہ جائے جیسا کہ اس عورت نے ایک نوکدار پتھر سے ذبح کیا تھا اور اس سے خون بہہ گیا تھا۔

جانور خود ذبح کرنا چاہیے

جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) [بخاری (۵۴۹۸) کتاب الذبائح والصید : باب التسمیة علی الذبیحة ومن ترك متعمداً' مسلم (۱۹۶۸)]

(۲) [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : سبل السلام (۱۸۵۲/۴)]

(۳) [بخاری (۵۵۰۴) کتاب الذبائح والصید : باب ذبیحة المرأة والأمة]

(1) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حجۃ الوداع کے بیان میں حدیث مروی ہے اور اس میں ہے کہ

((فنحر رسول اللہ ﷺ بیدہ ثلاثا وستین بدنۃ جعل یطعنھا بحربۃ فی یدہ))

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ تریسٹھ (63) اونٹ نحر کیے۔ آپ اپنے ہاتھ میں موجود چھوٹا نیزہ اونٹوں کی گردنوں میں مارتے تھے۔'' (۱)

(2) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((أن النبی ﷺ نحر سبع بدنا بیدہ قیاما وضحی بالمدینۃ بکبشین أقرنین أملحین))

''نبی ﷺ نے کھڑے کھڑے سات اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور مدینہ میں دو سینگوں والے چتکبرے مینڈھے ذبح کیے۔'' (۲)

(3) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((انکفأ رسول اللہ ﷺ إلی کبشین أقرنین أملحین فذبحھما بیدہ))

''رسول اللہ ﷺ سینگ والے دو چتکبرے مینڈھوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔'' (۳)

(4) ((عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ضحی النبی ﷺ بکبشین أملحین فرأیتہ واضعا قدمہ علی صفاحھما یسمی ویکبر' فذبحھما بیدہ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے پاؤں جانور کے اوپر رکھے ہوئے

---

(۱) [مسلم (۱۲۱۸)]

(۲) [ابو داود (۲۷۹۳) کتاب الضحایا : باب مایستحب من الضحایا' شیخ البانی ؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۲٤۲۳)]

(۳) [بخاری (۵۵۵٤) کتاب الأضاحی : باب فی أضحیۃ النبی]

ہیں اور بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ رہے ہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے دونوں مینڈھوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا۔'' (۱)

درج بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ انسان کو اپنی قربانی خود ذبح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنی قربانی خود ذبح کیا کرتے تھے۔

امام شوکانیؒ نے بھی اسی مؤقف کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے۔(۲)

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

((وإن ذبحها بيده كان أفضل))

''اور اگر وہ شخص قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے تو یہ افضل ہے۔'' (۳)

سید سابقؒ فرماتے ہیں کہ

((يسن لمن يحسن الذبح أن يذبح أضحيته بيده))

''جو شخص عمدہ طریقے سے جانور ذبح کرسکتا ہو اس کے لیے مسنون ہے کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرے۔'' (٤)

کیا قصائی سے ذبح کرانا درست ہے؟

بہتر تو یہ ہے کہ جانور خود ذبح کیا جائے جیسا کہ نبی ﷺ اپنا جانور خود ہی ذبح کرتے تھے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرسکتا ہو تو قصائی سے ذبح کرانا بھی درست ہے۔ کیونکہ کسی صحیح حدیث میں اس کی ممانعت موجود نہیں۔

کیا عورت ذبح کرسکتی ہے؟

اگر عورت کو جانور ذبح کرنے کا طریقہ آتا ہو تو اس کے لیے جانور ذبح کرنا جائز ہے

(۱) [بخاری (٥٥٥٨) كتاب الأضاحی : باب من ذبح الأضاحی بیده]

(۲) [السیل الجرار (۲٤۳/۳)]

(۳) [المغنی لابن قدامة (۳۸۹/۱۳)]

(٤) [فقه السنة(۱۹۸/۳)]

جیسا کہ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) امام بخاریؒ رقمطراز ہیں کہ

((وأمر أبو موسى بناته أن يضحين بأيديهن))

''حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ وہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کریں۔'' (۱)

علامہ عینیؒ کا فتوی:

فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اگر اچھی طرح ذبح کرسکتی ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کرسکتی ہیں۔'' (۲)

(2) ((عن كعب بن مالك رضی اللہ عنہ .... أن جارية لهم كانت ترعى غنما بسلع فأبصرت بشاة من غنمها موتا فكسرت حجرا فذبحتها فقال لأهله : لا تاكلوا حتى آتي النبي ﷺ فأساله أو حتى أرسل إليه من يساله فاتي النبي ﷺ أو بعث إليه فأمر النبي ﷺ باكلها))

''حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ .... ایک لونڈی سلع پہاڑی پر بکریاں چرایا کرتی تھی (چراتے وقت ایک مرتبہ) اس نے دیکھا کہ ایک بکری مرنے والی ہے چنانچہ اس نے ایک پتھر توڑ کر اس سے بکری ذبح کردی تو کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ اسے اس وقت تک نہ کھانا جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حکم نہ پوچھ آؤں یا (انہوں نے کہا کہ) میں کسی کو بھیجوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھ آئے۔ پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یا کسی کو بھیجا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) [بخاری (قبل الحديث/ ۵۵۵۹) كتاب الأضاحی : باب من ذبح ضحية غيره......]

(۲) [عمدة القاری (۲۱/ ۱۵۵)]

نے اس کے کھانے کی اجازت بخشی۔''(۱)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ جب قربانی کا وقت ہو جائے اور گھر پر کوئی آدمی موجود نہ ہو تو اس صورت میں کیا عورت قربانی کا جانور ذبح کر سکتی ہے؟ تو شیخ نے جواب میں کہا کہ

((نعم' يجوز للمرأة أن تتولى ذبح الأضحية أوغيرها عند الحاجة متى تمت الشروط الأخرى للذكاة ويسن عند ذبح الأضحية تسمية من ينويها له من حي أو ميت فإن لم يفعل اكتفى بالنية فإن سمى غير صاحبها خطأ فلا يضر فالله أعلم بالنيات)) [والله الموفق]

''ہاں اگر جانور ذبح کرنے کی دیگر شرائط پوری ہو رہی ہوں تو بوقت ضرورت عورت قربانی وغیرہ کا جانور ذبح کر سکتی ہے۔قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اُس زندہ یا فوت شدہ آدمی کا نام لینا مسنون ہے جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہو۔اور اگر ایسا نہ بھی ہو سکے تو نیت کر لینا ہی کافی ہے اگر ذبح کرنے والا غلطی سے اصل شخص کی بجائے کسی اور کا نام لے لے تو بھی کوئی نقصان نہ ہوگا' اس لیے کہ اللہ رب العزت نیتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔(واللہ الموفق)(۲)

مکمل اہل وعیال کی طرف سے ایک بکری

کفایت کر جاتی ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن عطاء بن يسار قال سألت أبا أيوب الأنصاري رضی اللہ عنہ كيف كانت الضحايا فيكم على عهد رسول الله ﷺ قال كان الرجل في عهد النبي ﷺ

(۱) [بخاري (۵۵۰۱) كتاب الذبائح والصيد : باب ما أنهر الدم من القصب والمروة والحديد]

(۲) [فتاوى إسلاميه (۲/۳۱۸)]

یضحی بالشاة عنه وعن أهل بیته فیا کلون ویطعمون))

''عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی تو انہوں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔''(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

((عن أبی سریحة رضی اللہ عنہ قال حملنی أهلی علی الجفاء بعد ما علمت من السنة کان أهل البیت یضحون بالشاة والشاتین والآن یبخلنا جیراننا))

''حضرت ابو سریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے گھر والوں نے ہم کو خلاف سنت کام پر مجبور کیا اس کے بعد کہ جب ہم سنت پر عمل کرتے تھے تو ایک گھر والے بکری یا دو بکریوں کی قربانی کرتے اور اب اگر ہم ایسا کرتے ہیں تو ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہتے ہیں۔''(۲)

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک بکری مکمل اہل وعیال کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

((والعمل علی هذا عند بعض أهل العلم وهو قول أحمد

(۱) [ترمذی (۱۵۰۵) کتاب الأضاحی: باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزی عن أهل بیت' ابن ماجة (۳۱۴۷) کتاب الأضاحی: باب من ضحی بشاة عن أهله' مؤطا (۴۷۶/۲) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجة (۲۵۴۶)]

(۲) [ابن ماجة (۳۱۴۸) کتاب الأضحی: باب من ضحی بشاة عن أهله' شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجة (۲۵۴۷)] حافظ بوصیریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[مصباح الزجاجة (۵۵/۳)]

وإسحاق......وقال بعض أهل العلم لاتجزى الشاة إلا عن نفس واحدة وهو قول عبد الله بن مبارك وغيره من أهل العلم))

''بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے......اور بعض اہل علم نے کہا ہے کہ بکری صرف ایک نفس کی طرف سے ہی کفایت کرتی ہے اور یہ قول عبداللہ بن مبارکؒ اور ان کے علاوہ (بعض دیگر) اہل علم کا ہے۔''

بہر حال راجح مؤقف امام احمدؒ وغیرہ کا ہی ہے کیونکہ گذشتہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی صحیح حدیث اسی کو ثابت کرتی ہے۔

امام شوکانیؒ کا فتوی:

((والحق أن الشاة الواحدة تجزى عن أهل البيت وإن كانوا مائة نفس أو أكثر كما قضت بذلك السنة))

''حق بات یہ ہے کہ ایک بکری (مکمل) گھر والوں کی طرف سے کفایت کی جاتی ہے اگرچہ وہ سو یا اس سے بھی زیادہ نفس ہوں جیسا کہ سنت نے یہی فیصلہ کر دیا ہے۔'' (۱)

امام ابن قیمؒ کا فتوی:

((وكان من هديه ﷺ أن الشاة الواحدة تجزئ عن الرجل وعن أهل بيته ولو كثر عددهم))

''آپ ﷺ کی سنت سے یہ بھی ہے کہ ایک بکری آدمی کی طرف سے اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو۔'' (۲)

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((ولا بأس أن يذبح الرجل عن أهل بيته شاة واحدة))

---

(۱) [نيل الأوطار (١٣٧/٥) السيل الجرار (٢٣٣/٣)]

(۲) [كما في تحفه الأحوذى (٧٣/٥)]

''اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری ذبح کردے۔'' (۱)

اونٹ اور گائے کے حصے

اونٹ کی قربانی میں دس افراد جبکہ گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فحضر الأضحی فاشترکنا فی الجزور عن عشرۃ والبقرۃ عن سبعۃ))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے تو قربانی کا وقت ہوگیا۔ہم اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے اور گائے میں سات۔'' (۲)

ایک اور حدیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ذوالحلیفہ مقام پر تھے۔ہمارے ہاتھ بکریاں اور اونٹ لگے۔لوگوں نے جلدی جلدی انہیں ذبح کرکے ہانڈیاں چڑھا کر ابالنی شروع کردیں۔نبی ﷺ تشریف لائے۔آپ ﷺ نے ہانڈیاں الٹ دینے کا حکم دیا اور ((ثم عدل عشرۃ من الغنم بجزور)) ''پھر آپ نے دس بکریوں کو ایک اونٹ کے برابر قرار دیا۔'' (۳)

---

(۱) [المغنی (۳۶۵/۱۳)]

(۲) [ابن ماجۃ (۳۱۳۱) کتاب الأضحی : باب عن کم تجزی البدنۃ والبقرۃ ' ترمذی (۹۰۵) نسائی (۴۴۰۴) احمد (۲۴۸۴) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجۃ (۲۵۳۶)]

(۳) [بخاری (۲۵۰۷) کتاب الشرکۃ : باب من عدل عشرۃ من الغنم بجزور فی القسم ' نسائی (۴۴۰۳) کتاب الضحایا : باب ما تجزئ عنہ البدنۃ فی الضحایا ' ابو داود (۲۸۲۱) ترمذی (۱۴۹۲)]

اور جن روایات میں ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((البقرة عن سبعة و الجزور عن سبعة))

''گائے سات آدمیوں کی طرف سے قربان کی جا سکتی ہے' اور اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے۔'' (۱)

ایسی تمام روایات کے متعلق بعض علما کہتے ہیں کہ یہ حج کے متعلق ہیں یعنی دوران حج قربانی کرنے والے ایک اونٹ میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے۔ اور بعض علما کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں اگر استطاعت ہو تو اکیلا آدمی بھی اونٹ یا گائے کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ نحر عن آل محمد فی حجة الوداع بقرة واحدة))

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر آل محمد کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔'' (۲)

کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک بکری مکمل گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن یہ بالکل ثابت نہیں کہ ایک بکری زیادہ گھرانوں یا مختلف

(۱) [ابو داود (۲۸۰۸) کتاب الضحایا : باب البقر و الجزور عن کم تجزی' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۲۴۳۴)]

(۲) [ابن ماجة (۳۱۳۵) کتاب الأضاحی : باب عن کم تجزئ البدنة و البقرة' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجة (۲۵۴۰)]

اور جن روایات میں ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة))

''گائے سات آدمیوں کی طرف سے قربان کی جاسکتی ہے' اور اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا جا سکتا ہے۔''(۱)

ایسی تمام روایات کے متعلق بعض علما کہتے ہیں کہ یہ حج کے متعلق ہیں یعنی دوران حج قربانی کرنے والے ایک اونٹ میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے۔ اور بعض علما کا خیال ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے یعنی اونٹ میں دس آدمی بھی شریک ہو سکتے ہیں اور سات بھی۔ (واللہ اعلم)

علاوہ ازیں اگر استطاعت ہو تو اکیلا آدمی بھی اونٹ یا گائے کی قربانی کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

((أن رسول الله ﷺ نحر عن آل محمد فی حجة الوداع بقرة واحدة))

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر آل محمد کی طرف سے ایک گائے قربان کی۔''(۲)

کیا مختلف لوگ مل کر ایک بکری قربان کر سکتے ہیں؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ شریعت میں اتنا تو ثابت ہے کہ ایک بکری مکمل گھر والوں کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے لیکن یہ بالکل ثابت نہیں کہ ایک بکری زیادہ گھرانوں یا مختلف

(۱) [ابو داود (۲۸۰۸) کتاب الضحایا : باب البقر والجزور عن کم تجزی' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (۲۴۳۴)]

(۲) [ابن ماجة (۳۱۳۵) کتاب الأضاحی : باب عن کم تجزئ البدنة والبقرة' شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجة (۲۵۴۰)]

افراد کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

قربانی کرنا افضل ہے یا قربانی کی قیمت صدقہ کر دینا؟

قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے قربانی کرنا افضل ہے کیونکہ قربانی ایسی عبادت ہے جسے رسول اللہ ﷺ ' صحابہ کرام' تابعین اور ائمہ عظام نے اپنایا ہے اگر قربانی کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کرنا شروع کر دیا جائے تو یہ عبادت ختم ہوتی چلی جائے گی۔ علاوہ ازیں اگر صدقہ کرنا افضل ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور اس کی وضاحت فرما دیتے حالانکہ آپ ﷺ سے نہ تو یہ ثابت ہے کہ قیمت صدقہ کر دینا قربانی سے افضل ہے اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا قربانی کے برابر ہے۔

امام ابن قدامہ ؒ کا فتویٰ:

((والأضحية أفضل من الصدقة بقيمتها نص عليه أحمد وبهذا قال ربيعة وأبو الزناد))

''قربانی کی قیمت صدقہ کرنے سے قربانی کرنا افضل ہے' امام احمد ؒ نے اس پر نص بیان کی ہے' امام ربیعہ ؒ اور امام ابوالزناد ؒ نے بھی یہی بات کہی ہے۔'' (۱)

شیخ ابن باز ؒ کا فتویٰ:

((وذبحها أفضل من الصدقة بثمنها لما في ذلك من إحياء السنة وإظهارها والتأسي بالنبي ﷺ وأصحابه رضی اللہ عنہم ' والله ولي التوفيق))

''اور قربانی کا جانور ذبح کرنا اس کی قیمت صدقہ کر دینے سے افضل ہے کیونکہ اس میں سنت کا احیاء اور اس کا اظہار ہے اور نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اقتداء ہے۔'' (۲)

---

(۱) [المغنى (۳۶۱/۱۳)]

(۲) [فتاوى إسلامية (۳۲۱/۲)]

قربانی کا گوشت کیسے تقسیم کیا جائے؟

بعض علماء نے کہا ہے کہ قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ایک حصہ خود کھایا جائے' دوسرا حصہ اپنے اقرباء اور دوست احباب وغیرہ کو کھلا دیا جائے اور تیسرا حصہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ان حضرات نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے استدلال کیا ہے:

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : الضحایا و الهدایا ثلث لك و ثلث لأهلك و ثلث للمساكين))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ قربانیوں کا تیسرا حصہ تمہارے لیے ہے اور تیسرا حصہ تمہارے گھر والوں کے لیے ہے اور تیسرا حصہ مساکین کے لیے ہے۔''(۱)

اگر چہ علماء نے اس تقسیم کو افضل کہا ہے لیکن یہ تقسیم ضروری نہیں ہے بلکہ حسب ضرورت حالات کے مطابق بھی گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی اگر فقراء و مساکین زیادہ ہوں تو زیادہ گوشت صدقہ کر دینا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ لوگ اکثر و بیشتر خوشحال ہوں تو زیادہ گوشت خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح آئندہ ایام کے لیے ذخیرہ بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن میں مطلقاً قربانی کا گوشت کھانے اور کھلانے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ﴾ [الحج : ٣٦]

''قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں مقرر کر دی ہیں ان میں

(۱) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المغني ابن قدامة (٣٧٩/١٣)]

تمہیں نفع ہے پس انہیں کھا کر ان پر اللہ کا نام لو پھر جب ان کے پہلو زمین سے لگ جائیں (یعنی سارا خون نکل جائے اور وہ بے روح ہو کر زمین پر گر جائیں تو) اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین، سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔"

ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾

"اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے آ جائیں اور ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں۔ پس تم خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔"

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ حسب ضرورت قربانی کا گوشت کھایا اور کھلایا جا سکتا ہے البتہ تین دن سے زیادہ ذخیرہ کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے خاص مصلحت کے تحت ابتدائے اسلام میں منع فرما دیا تھا جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ أنه قال : **لا يأكل أحد من لحم أضحيته فوق ثلاثة أيام**))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بھی اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے اوپر نہ کھائے۔" (۱)

لیکن پھر اس کی اجازت دے دی تھی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ

((عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ قال : **من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وبقي في بيته منه شيئ**، فلما كان العام المقبل قالو يا رسول الله ﷺ! نفعل كما فعلنا العام الماضي؟ قال : **كلوا وأطعمو وادخروا فإن ذلك العام كان بالناس جهد فأردت أن تعينوا فيها**)).

(۱) [مسلم (۵۱۰۰) كتاب الأضاحي : باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء]

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جو قربانی کرے تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس میں سے کوئی چیز باقی نہ ہو۔ پس اگلے سال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا اس سال بھی ہم اسی طرح کریں جس طرح ہم نے گذشتہ سال کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔ بے شک اُس سال لوگ مشقت میں تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ تم ان کی مدد کردو۔'' (۱)

مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین یا دو حصے بنا کر تقسیم کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات کے مطابق کسی بھی طریقے سے گوشت کھایا اور کھلایا جاسکتا ہے اور ذخیرہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((ویجوز ادخار لحوم الأضاحی فوق ثلاث))

''تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت ذخیرہ کرنا جائز ہے۔'' (۲)

کیا غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے؟

غیر مسلم اگر مستحق ہو تو اسے بھی قربانی کا گوشت دیا جاسکتا ہے کیونکہ شریعت میں غیر مسلموں سے تالیف قلب کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ فرض زکاۃ کے مصارف میں سے ایک مستقل مصرف ہی یہی مقرر کر دیا گیا ہے اور اس سے ممانعت بھی کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

---

(۱) [بخاری (۵۵۶۹) کتاب الأضاحی : باب ما یو کل من لحوم الأضاحی وما یتزود منها ؛ مسلم (۵۱۰۹) کتاب الأضاحی : باب بیان ما کان من النهی عن أکل لحوم الأضاحی بعد ثلاث فی أول الإسلام]

(۲) [المغنی (۳۸۱/۱۳)]

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((ویجوز أن یطعم منها کافرا وبهذا قال الحسن وأبو ثور وأصحاب الرأی))

''اور یہ جائز ہے کہ کوئی قربانی کے گوشت سے کسی کافر کو کھلائے اور امام حسنؒ، امام ابو ثورؒ اور اصحاب الرائے بھی اسی کے قائل ہیں۔'' (۱)

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((یستحب فی الأضحیة تجزئة لحمها أثلاثا ثلث لصاحبها وثلث لصدیقه وثلث للمساکین ویجوز أن یعطی الکافر منها لفقره أو قرابته أو جواره أو تالیف قلبه))

''قربانی میں مستحب یہ ہے کہ اس کے گوشت کے تین حصے بنائے جائیں: ایک تہائی قربانی کرنے والے کے لیے' ایک تہائی اس کے دوست احباب کے لیے' اور ایک تہائی مساکین کے لیے اور اس سے کافر کو دینا بھی جائز ہے اُس کے فقر کی وجہ سے' یا اُس کی قرابت داری کی وجہ سے' یا اُس کی ہمسائیگی کی وجہ سے' یا اُس کی تالیف قلب کی وجہ سے۔'' (۲)

قربانی کی کھالوں کا مصرف

قربانی کی کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے یعنی جیسے قربانی کا گوشت خود بھی کھایا جا سکتا ہے دوسروں کو بھی کھلایا جا سکتا ہے اور صدقہ بھی کیا جا سکتا ہے اسی طرح کھال کو خود بھی استعمال کیا جا سکتا ہے کسی دوسرے کو بھی استعمال کے لیے دی جا سکتی ہے اور صدقہ بھی کی جا سکتی ہے کیونکہ اس کے استعمال کا کوئی الگ طریقہ کتاب وسنت میں موجود نہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

---

(۱) [المغنی (۳۸۱/۱۳)]

(۲) [فتاوی أسلامیة (۳۲٤/۲)]

((دف أهل أبيات من أهل البادية حضرة الأضحى زمن رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ : **ادخروا ثلاثا ثم تصدقوا بقي**' فلما كان بعد ذلك قالوا يا رسول الله! إن الناس يتخذون الأسقية من ضحايا هم ويجملون فيها الودك فقال رسول الله ﷺ : **وما ذاك**؟ قالو نهيت أن توكل لحوم الضحايا بعد ثلاث فقال : **إنما نهيتكم من أجل الدافة التي دخت فكلوا وادخروا وتصدقوا**))

''رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کے وقت اہل بادیہ کے کچھ گھر (مدینہ میں) آباد ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین دن تک قربانی کا گوشت ذخیرہ کرو پھر باقی صدقہ کردو۔ پس جب اس سے اگلا سال آیا تو لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! بلاشبہ لوگ قربانیوں سے مشکیزے بناتے ہیں اور ان میں چربی پگھلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں صرف ان لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔''(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھالوں کا بھی وہی مصرف ہے جو گوشت کا ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے مطلق طور پر یہ فرمایا ہے کہ قربانیوں سے کھاؤ' ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ اس لیے کھال کو خود استعمال کر لینا چاہیے مثلاً بطور مصلی یا بطور چٹائی وغیرہ جیسا کہ صحابہ نے مشکیزے بنا لیے تھے۔ یا کسی دوست کو استعمال کے لیے دے دینی چاہیے یا صدقہ کر دینی چاہیے۔

کیا قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی جا سکتی ہے؟

نہ تو قربانی کا گوشت فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کھال فروخت کی

(۱) [مسلم (۵۱۰۳) كتاب الأضاحي : باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء]

جا سکتی ہے کیونکہ شریعت نے انہیں استعمال کرنے کا جو طریقہ بتلایا ہے فروخت کرنا اس میں شامل نہیں۔

امام ابن قدامہ ؒ کا فتوی:

((وجملة ذلك أنه لايجوز بيع شيئ من الأضحية لا لحمها ولا جلدها واجبة كانت أو تطوعا لأنها تعينت بالذبح))

''منجملہ قربانی کی کسی چیز کو بھی فروخت کرنا جائز نہیں نہ تو اس کا گوشت اور نہ ہی اس کا چمڑا خواہ قربانی واجب ہو یا نفلی ہو کیونکہ وہ ذبح کے ساتھ متعین ہو چکی ہے۔'' (۱)

امام احمد ؒ کا فتوی:

((لايبيعها ولا يبيع شيئا منها وقال سبحان الله كيف يبيعها وقد جعلها لله تبارك وتعالى......))

''وہ اسے (یعنی قربانی کے جانور کو) فروخت نہیں کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی چیز (گوشت یا کھال وغیرہ) فروخت کر سکتا ہے اور (امام احمد ؒ) مزید فرماتے ہیں کہ ''سبحان اللہ'' وہ اسے کیسے فروخت کر سکتا ہے جبکہ وہ اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے مقرر کر چکا ہے۔'' (۲)

کیا قربانی کا گوشت یا کھال قصائی کو بطور اجرت دی جا سکتی ہے؟

ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ

((عن علي رضي الله عنه قال أمرني رسول الله ﷺ أن أتصدق بجلال البدن التي نحرت وبجلودها))

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا

(۱) [المغني (۳۸۲/۱۳)]

(۲) [أيضا]

کہ میں ان قربانی کے جانوروں کے جھول اور ان کے چمڑے صدقہ کردوں جن کی قربانی میں نے کردی تھی۔"(۱)

اور صحیح مسلم میں ہے کہ

((عن علی رضی اللہ عنہ قال أمرني رسول اللهﷺ أن أقوم على بدنه وأن أتصدق بلحمها وجلودها وأجلتها وأن لا أعطي الجزار منها وقال نحن نعطيه من عندنا))

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور میں ان قربانیوں کا گوشت اور ان کے چمڑے اور ان کی جلیں صدقہ کردوں اور ان سے (کچھ بھی) قصائی کو نہ دوں" اور (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ہم اسے (قصائی کو) اپنے پاس سے (معاوضہ) دیا کرتے تھے۔"(۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں کی ہر چیز حتی کہ جل تک بھی صدقہ کردی جائے اور قصائی کو ان میں سے بطور اجرت کچھ نہ دیا جائے بلکہ اجرت علیحدہ دے دینی چاہیے۔

زندہ افراد کی طرف سے قربانی

اپنے علاوہ دیگر زندہ افراد کی طرف سے قربانی کرنا بالاتفاق جائز ومباح ہے اور اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

((عن عائشہ رضی اللہ عنہا ...... ضحى رسول اللهﷺ عن أزواجه بالبقر))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف

(۱) [بخاری (۱۷۰۷) کتاب الحج : باب الجلال للبدن]

(۲) [مسلم (۳۱۸۰) کتاب الحج : باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها وأن لايعطى الجزار منها شيئا وجواز الا ستنابة فى القيام عليها]

سے گائے کی قربانی کی۔‘‘(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

((عن عطاء بن یسار قال سألت ابا أیوب الأنصاری کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله ﷺ قال کان الرجل فی عهد النبی ﷺ یضحی بالشاة عنه وعن أهل بیته فیاکلون ویطعمون))

’’عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کیسے ہوتی تھی تو انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا وہ (اسے) کھاتے تھے اور کھلاتے تھے۔‘‘(۲)

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی زندہ افراد یعنی گھر والے یا دوست احباب وغیرہ کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو جائز ہے۔

میت کی طرف سے قربانی

اس کی مختلف صورتیں ہیں:

(1) قربانی تو زندہ افراد کی طرف سے کی جائے لیکن اس میں فوت شدگان کو بھی شریک کرلیا جائے یہ جائز ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

((عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله ﷺ أمر بکبش أقرن یطأ فی سواد ویبرك فی سواد وینظر فی سواد فأتی به لیضحی به قال لعائشة **هلمی المدیة** ثم قال **اشحذیها بحجر** ففعلت ثم أخذ ها وأخذ بکبش فأ ضجعه ثم قال: **بسم الله**

(۱) [بخاری (۵۵۴۸) کتاب الأضاحی: باب الأضحیة للمسافر والنساء]

(۲) [ترمذی (۱۵۰۵) کتاب الأضاحی: باب ماجاء أن الشاة الواحدة تجزئ عن أهل بیت ' ابن ماجة (۳۱۴۷) کتاب الأضاحی: باب من ضحی بشاة عن أهله ' مؤطا (۴۷۶/۲) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجة (۲۵۴۶)]

اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد ' ثم ضحى به))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والا ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ پاؤں' پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں وہ جانور آپ کے پاس قربانی کے لیے لایا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا چھری لاؤ پھر کہا اسے کسی پتھر کے ساتھ تیز کرو انہوں نے ایسا ہی کیا' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری پکڑ لی اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیا پھر فرمایا: اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! محمد' آل محمد اور امت محمد کی طرف سے (اسے) قبول فرما' پھر اسے ذبح کر دیا۔'' (۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو سینگوں والے چتکبرے' بڑے بڑے' خصی مینڈھے لائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے ایک کو لٹایا اور پھر کہا:

((بسم الله والله أكبر عن محمد وأمة من شهد الله بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ))

''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے' (یہ جانور) محمد کی طرف سے اور اس کی امت میں سے جس نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دی اور میرے لیے پیغام پہنچانے کی گواہی دی' کی طرف سے (قبول فرما)۔'' (۲)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ پوری امت کو بھی شریک کیا اور یقیناً اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے کئی افراد فوت ہو چکے

---

(۱) [مسلم (۵۰۹۱) كتاب الأضاحي : باب استحباب استحسان الضحية ذبحها مباشرة بلا توكيل والتسمية والتكبير]

(۲) [إرواء الغليل (۴/۳۵۱)]

تھے لہذا ثابت ہوا کہ اپنی قربانی میں فوت شدگان کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔ شیخ ابن بازؒ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ ابن بازؒ کا فتویٰ:

((الأضحية مشروعة عن الحي والميت لأن النبي ﷺ كان يضحي بالشاة الواحدة عنه وعن آل بيته في المدينة وبعضهم متوفى كخديجة رضي الله عنها وبنتية رقية وأم كلثوم رضي الله عنهما ولأنها صدقة وقربة فأشبهت بقية الصدقات وهي عن الحي آكد لفعله ﷺ وقوله ﷺ : **إذا دخل شهر ذي الحجة وأراد أحدكم أن يضحي فلا يأخذ من شعره ولا من ظفره شيئا** ' خرجه مسلم في صحيحه من حديث أم سلمة رضي الله عنها))

”قربانی زندہ اور مردہ کی طرف سے مشروع ہے کیونکہ نبی ﷺ مدینہ میں ایک بکری اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربان کرتے تھے حالانکہ ان میں بعض فوت ہو چکے تھے جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی دو بیٹیاں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اور اس لیے بھی مشروع ہے کہ یہ صدقہ اور قربت ہے پس یہ بقیہ صدقات کے مشابہ ہوگئی اور یہ زندہ افراد کی طرف سے زیادہ مؤکد ہے آپ ﷺ کے فعل کی وجہ سے اور آپ ﷺ کے اِس قول کی وجہ سے کہ ”جب ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے بالوں اور اپنے ناخنوں سے کچھ نہ کاٹے۔“ اسے امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تخریج کیا ہے۔“(۱)

شیخ ابن عثیمینؒ کا فتویٰ:

میت کے لیے قربانی کی دو قسمیں ہیں.

---

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۲۱/۲)]

1- ((أن يكون ذبحا شرعيا وذلك ما يذبح في عيد الأضحى تقربا إلى الله عز وجل، ويجعل ثوابه للميت فهذا لا بأس به، على أن الأفضل من هذا أن يضحي الإنسان عنه وعن أهل بيته وينوى بذلك الحي والميت، فيدخل الميت تبعا ، لأن النبي ﷺ لم يضح عن أحد مات من أهله ، فقد مات له ﷺ ثلاث بنات ، زينب وأم كلثوم ورقية رضي الله عنهن، ولم يضح عنهن، وكذلك خديجة وهي من أحب النساء إليه ولم يضح لها ، وكذا عمه حمزة قتل شهيداً في أحد ولم يضح عنه، ولكنه ﷺ ضحى عنه وعن أهل بيته))

”یہ کہ شرعی قربانی ہو اور وہ یہ ہے کہ جو عید الاضحیٰ میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کی جاتی ہے اور اس کا ثواب میت کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس سے بھی افضل یہ ہے کہ انسان اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کرے اور اس کے ساتھ زندہ اور مردہ (افراد) کی بھی نیت کر لے تو تبعاً میت بھی اس میں شامل ہو جائے گی کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے گھر کے فوت شدگان میں سے کسی کی طرف سے قربانی نہیں کی۔ آپ ﷺ کی تین بیٹیاں ”زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہن“ فوت ہوئیں لیکن آپ ﷺ نے ان کی طرف سے قربانی نہیں کی اور اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ کو بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھیں، آپ نے ان کے لیے بھی قربانی نہیں کی، اور اسی طرح آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، جو جنگ احد میں شہید کر دیے گئے آپ نے ان کی طرف سے بھی قربانی نہیں کی۔ ہاں لیکن آپ ﷺ نے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔“

2- ((الذبح عن الميت كما يفعله بعض الجهال يذبح له في اليوم السابع من موته، أو في اليوم الأربعين من موته، أو اليوم الثالث من موته، فهذه بدعة ولا تجوز لأنها إضاعة مال في غير فائدة لا دينية ولا دنيوية ، بل في مضرة دينية ،

والبدع كلها ضلالة كما قال ﷺ : كل بدعة ضلالة ' والله الموفق))

''میت کی طرف سے جانور ذبح کرنا جیسا کہ بعض جاہل لوگ ایسا کرتے ہیں میت کے لیے اس کی وفات کے ساتویں روز جانور ذبح کیا جاتا ہے یا اس کی وفات کے چالیسویں روز' یا اس کی وفات کے تیسرے روز' یہ بدعت ہے اور جائز نہیں کیونکہ یہ ایسے بے فائدہ کام میں مال کا ضیاع ہے جس میں نہ تو دینی فائدہ ہے اور نہ دنیاوی' بلکہ دینی نقصان میں (مال کا ضیاع ہے) اور تمام بدعتیں گمراہی ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (واللہ الموفق)(۱)

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فوت ہونے سے پہلے اپنے ثلث مال میں سے قربانی کرنے کی وصیت کر جائے یا ایک خاص رقم اس غرض سے وقف کر جائے تو میت کے ورثاء پر لازم ہے کہ اس کے ترکے میں سے اس کی طرف سے لازماً قربانی کریں کیونکہ قربانی کے بقدر مال وقف کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے اس میں بندوں کا کوئی حق نہیں اسے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے صرف کرنا بہر صورت ضروری ہے جیسا کہ وقف کے متعلق ایک حدیث میں ہے کہ

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : أصاب عمر رضی اللہ عنہ بخيبر أرضا ' فأتى النبي ﷺ قال : أصبت أرضا لم أصب مالا قط أنفس منه' فكيف تأمرني به؟ قال : "إن شئت حبست أصلها وتصدقت بها" فتصدق عمر أنه لا يباع أصلها ولا يوهب ولا يورث في الفقراء والرقاب وفي سبيل الله والضيف وابن السبيل ' لا جناح على من وليها أن ياكل منها بالمعروف أو يطعم صديقا غير متمول فيه))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی (جس کا نام ثمغ تھا) تو آپ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض

(۱) [فتاوی منار الإسلام (۲/۱/۴۱۱)]

کیا کہ مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا' آپ اس کے بارے میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر چاہے تو اصل جائداد اپنے قبضے میں روک رکھ اور اس کے منافع کو خیرات کر دے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس شرط کے ساتھ صدقہ (وقف) کیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے' نہ ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں کسی کو ملے اور فقراء' رشتہ دار' غلام آزاد کرانے' اللہ کے راستے (کے مجاہدوں) مہمانوں اور مسافروں کے لیے (وقف) ہے جو شخص بھی اس کا متولی ہو اگر دستور کے مطابق اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو کھلائے تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مال جمع کرنے کا ارادہ نہ ہو۔'' (۱)

(3) تیسری صورت یہ ہے کہ جانور قربان کر کے سارا جانور ہی صدقہ کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ چند ایک حسب ذیل ہیں:

1- ((عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رجلا قال للنبي ﷺ: إن أبي مات وترك مالا ولم يوص' فهل يكفر عنه إن تصدق عنه؟ قال: "نعم"))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا میرا والد فوت ہو گیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے لیکن وصیت نہیں کی اگر اس کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے تو کیا یہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں۔'' (۲)

2- ((عن عائشة رضی اللہ عنہا أن رجلا أتى النبي ﷺ: فقال يا رسول الله! إن أمي افتلتت نفسها' ولم توص' وأظنها لو تكلمت تصدقت' أفلها أجر إن تصدقت

(۱) [بخاری (۲۷۷۲) كتاب الوصايا: باب الوقف كيف يكتب؟]

(۲) [مسلم (۴۲۱۹) كتاب الوصية: باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت]

عنها؟ قال : "نعم"))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول! بے شک میری والدہ اچانک فوت ہوگئی ہے اور اس نے وصیت نہیں کی، میں اس کے متعلق گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ کچھ بولتی تو صدقہ کر دیتی۔ تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کر دوں تو اسے اجر ملے گا؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں۔" (۱)

(4) چوتھی صورت یہ ہے کہ صرف میت کی طرف سے ہی قربانی کی جائے جیسا کہ آج کل عام رواج ہے کہ کوئی اپنے والد کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس کا الگ جانور خریدتا ہے جو کہ صرف والد کی طرف سے قربان کیا جاتا ہے حلانکہ اس کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں ملتا اس لیے اس عمل سے اجتناب ہی بہتر ہے علاوہ ازیں اگر میت کی طرف سے قربانی کرنی ہو تو پہلی تینوں صورتوں میں سے کسی کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ (واللہ اعلم)

والدین کی طرف سے قربانی

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی:

((الاستغفار للوالدين وهم أحياء جائز' وهو أفضل من الأضحية ' ولكن الإنسان إذا ضحى عن نفسه وعن أهله الأحياء منهم والأموات أضحية واحدة كفت' ولم يرد عن النبي ﷺ أنه ضحى عن أحد من أهله وإنما ضحى عن نفسه وأشرك فيها أهله الأحياء والأموات))

"والدین کے لیے استغفار کرنا جبکہ وہ زندہ ہوں جائز ہے اور یہ قربانی سے افضل ہے لیکن اگر انسان اپنی طرف سے اور اپنے بقید حیات اور فوت شدہ گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی کر دے تو کافی ہو جائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے اپنے گھر والوں میں سے (فوت شدہ) کسی ایک کی طرف سے بھی قربانی کی ہو۔ ہاں

(۱) [مسلم (۴۲۲۱) كتاب الوصية : باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت]

(اتنا ضرور ہے کہ) آپ ﷺ نے اپنی طرف سے قربانی کی اور اس میں اپنے زندہ اور فوت شدہ گھر والوں کو بھی شریک کرلیا۔''(۱)

سود کے مال سے قربانی کا حکم

جیسا کہ ابتداء میں شرائط قربانی کے ضمن میں بیان کیا جاچکا ہے کہ قربانی پاکیزہ مال سے کرنی چاہیے، حرام مال سے کی ہوئی قربانی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ :أيها الناس! إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا وإن الله أمر المومنين بما أمر به المرسلين فقال: ﴿يٰاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ [المومنون:٥١] وقال : ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ [البقرة :١٧٢] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يارب! يارب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام فأنى يستجاب لذلك؟))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے لوگو! بیشک اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ فرمایا ''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو بیشک میں اس کا علم رکھتا ہوں جو تم عمل کرتے ہو'' اور فرمایا ''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے ذکر فرمایا کہ آدمی لمبا سفر کرتا ہے سر پراگندہ ہے، قدم غبار آلود ہیں، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! لیکن اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا پہنا حرام ہے، اور حرام

(۱) [فتاوی منار الإسلام (٤١٥/٢)]

سے اسے غذا دی جاتی ہے تو کیسے اس کی دعا قبول کی جائے؟۔'' (۱)

ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

((لا تقبل صلاة بغير طهور ولا صدقة من غلول))

''وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی صدقہ خیانت کے مال (یعنی حرام مال) سے قبول ہوتا ہے۔'' (۲)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح حرام مال سے کیا ہوا صدقہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ سود کا مال بھی حرام ہے جیسا کہ اس کی حرمت کے اثبات میں مندرجہ ذیل دلائل کافی ہیں:

(1) ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة : ۲۷۵] ''اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔''

(2) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ [آل عمران:۱۳۰]
''اے ایمان والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود مت کھاؤ۔''

(3) ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ﴾ [البقرة : ۲۷۹]

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور جو سود (لوگوں پر) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔''

(4) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

(۱) [مسلم (۲۳۴٦) كتاب الزكاة : باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها]
(۲) [مسلم (۵۳۵) كتاب الطهارة : باب وجوب الطهارة للصلاة]

((لعن رسول اللّٰه ﷺ آكل الربا و موكله و كاتبه و شاهديه وقال : هم سواء))

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' لکھنے والے اور اس کے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔'' (۱)

ثابت ہوا کہ سود کا مال حرام ہے اور حرام مال سے قربانی قبول نہیں ہوتی لہذا سود کے مال سے بھی قربانی قبول نہیں ہوگی۔

بے نماز کی قربانی

یہ بات ثابت ہے کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا شخص کافر ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل دلائل اس پر شاہد ہیں:

(1) مشرکین کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿فَإِنْ تَابُوْا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ [التوبة : ۱۱]

''اگر یہ لوگ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔''

اس آیت سے از خود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تمہارے دینی بھائی نہیں ہیں اور یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ دینی بھائی چارہ صرف اسلام سے خارج ہونے سے ہی ختم ہوتا ہے۔

(2) ﴿وَأَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الروم : ۳۱]

''نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔'' اس آیت کا یقیناً مفہوم یہی ہے کہ جو

---

(۱) [مسلم (۴۰۹۳) كتاب البيوع : باب لعن آكل الرباء وموكله' بيهقى (۲۷۵/۵) ابو يعلى (۳۷۷/۳)]

نماز چھوڑ دیتا ہے وہ مشرکوں میں سے ہے۔

(3) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بین الرجل و بین الکفر و الشرک ترک الصلاۃ))

''کفر وشرک اور (مسلمان) بندے کے درمیان فرق نماز کا چھوڑ دینا ہے۔'' (۱)

(4) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بین العبد و بین الکفر و الإیمان الصلاۃ فاذا ترکھا فقد أشرک))

''بندے اور کفر وایمان کے درمیان (فرق کرنے والی) نماز ہے پس جب اس نے اسے ترک کر دیا تو اس نے شرک کیا۔'' (۲)

(5) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((العھد الذی بیننا و بینھم الصلاۃ فمن ترکھا فقد کفر))

''ہمارے اور کافروں کے درمیان عہد نماز ہے جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے کفر کیا۔'' (۳)

(6) حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ولا تترک صلاۃ مکتوبۃ متعمدا فمن ترکھا متعمدا فقد برئت منہ الذمۃ))

---

(۱) [مسلم (۸۲) کتاب الإیمان : باب بیان إطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ ' أحمد (۳/۳۷۰) دارمی (۱/۲۸۰) أبو داود (۴۶۷۸) ترمذی (۲۶۱۸) ابن ماجۃ (۱۰۷۸) الحلیۃ لأبی نعیم (۸/۲۵۶) بیھقی (۳/۳۶۶)]

(۲) [شرح أصول اعتقاد أھل السنۃ والجماعۃ للالکائی (۴/۸۲۲)] اس کی سند صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ نیز امام منذریؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [الترغیب والترھیب (۱/۳۷۹)]

(۳) [ترمذی (۲۶۲۱) کتاب الإیمان : باب ما جآء فی ترک الصلاۃ ' أحمد (۵/۳۴۶) نسائی (۱/۲۳۱) ابن ماجۃ (۱۰۷۹) حاکم (۱/۶) ابن أبی شیبۃ (۱۱/۳۴) دارقطنی (۲/۵۲) بیھقی (۳/۳۶۶) التمھید لابن عبدالبر (۷/۲۲۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجۃ (۸۸۴) المشکاۃ (۵۷۴)]

''تم فرض نماز جان بوجھ کر نہ چھوڑو پس جس شخص نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی تو اس سے امن وامان کا ذمہ ختم ہو گیا۔'' (۱)

(7) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من حافظ عليها كانت له نورا و برهانا ونجاة يوم القيمة ومن لم يحافظ عليها لم تكن له نورا ولا برهانا ولا نجاة وكان يوم القيمة مع قارون وفرعون وهامان وأبي بن خلف))

''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی' نماز اس کے لیے روشنی' دلیل اور قیامت کے دن نجات کا باعث ہوگی اور جس شخص نے نماز کی حفاظت نہ کی تو نماز اس کے لیے روشنی' دلیل اور نجات کا باعث نہیں ہوگی بلکہ وہ شخص قیامت کے دن قارون' فرعون' ھامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (۲)

(8) حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

((كان أصحاب رسول الله ﷺ لا يرون شيئا من الأعمال تركه كفر غير الصلاة))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے علاوہ اعمال میں سے کسی چیز کو چھوڑنا بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔'' (۳)

---

(۱) [ابن ماجة (٤٠٣٤) كتاب الفتن : باب الصبر على البلاء] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔[المشكاة (٥٨٠)]

(۲) [أحمد (١٦٩/٢) دارمی (٣٠١/٢) مجمع البحرين (٥٢٨) موارد (٢٥٤) مشكل الآثار (٢٢٩/٤) اس کی سند جید ہے۔شیخ البانی رقمطراز ہیں کہ امام منذری نے اس حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔[المشكاة (٥٧٨)]

(۳) [ترمذی (٢٦٢٢) كتاب الإيمان : باب ما جاء في ترك الصلاة ' حاكم (٧/١) شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [المشكاة (٥٧٩)]

(9) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((لا حظ في الإسلام لمن ترك الصلاة))

''نماز چھوڑنے والے کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔'' (۱)

جمہور علما کا مؤقف یہ ہے کہ وجوب کا اعتقاد رکھتے ہوئے محض تساہل و تکاسل کے باعث اگر نماز چھوڑ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا بلکہ فاسق ہو جائے گا' اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ شادی شدہ زانی کی طرح اسے بطور حد قتل کر دیا جائے گا نیز اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بے نماز کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کر دیا جائے گا۔ (۲)

معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر دائمی طور پر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور اگر استطاعت ہو تو اسے قتل کیا جائے گا جیسا کہ مزید اس کے چند دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله ويقيموا الصلاة ويؤتوا الزكوة))

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب تک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔'' (۳)

(2) اسی حدیث کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوۃ کے خلاف

---

(۱) [مؤطا (۷٤) كتاب الطهارة : باب العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف]

(۲) [الأم (۱/٤۲٤) الحاوى (۲/٥۲٥) روضة الطالبين (۱/٦٦٨) المغنى (۳/۳٥۱) الإنصاف (۱/٤۰۱) القوانين الفقهية (ص/٤۲) مغنى المحتاج (۱/۳۲۷)]

(۳) [بخارى (۲٥) كتاب الإيمان : باب فان تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكوة......' مسلم (۲۲) دارقطنى (۱/۲۳۲) بيهقى (۳/۹۲) ابن حبان (۱۷٤) حاكم (۱/۳۸۷) دارقطني (۱/۲۳۱) ابن ماجة (۳۹۲۷)]

قتال کیا۔(۱)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''جو شخص نماز چھوڑ دے پھر اس چھوڑنے پر مصر و قائم رہے اور پھر ایسی حالت میں ہی فوت ہو جائے تو وہ کافر فوت ہوا ہے۔(۲)

امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ

''حق بات یہی ہے کہ ایسا شخص کافر ہے اور قتل کا مستحق ہے۔''(۳)

امام نوویؒ بیان کرتے ہیں کہ

''اگر کوئی شخص نماز چھوڑ دے اس کے اور کفر کے درمیان کوئی حائل باقی نہیں رہ جاتا۔''(٤)

شیخ ابن جبرینؒ کا فتویٰ:

''جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس پر کفر کا ہی حکم لگایا جائے گا۔''(٥)

سعودی مجلس افتاء فتویٰ:

جو شخص سستی و کوتاہی سے (عمداً بلا عذر) نماز چھوڑ دیتا ہے علماء کے اقوال میں سے صحیح یہی ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے۔(٦)

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ بے نماز اسلام سے خارج ہے لہذا اس کی قربانی ہی نہیں بلکہ کوئی بھی عبادت قبول نہیں۔

---

(۱) [نسائی (٧-٧٦) أبو يعلى (٦٨) ابن خزيمة (٢٤٤٧) حاكم (٣٦٨/١) مجمع الزوائد (٣٠/١)]

(۲) [الصارم المسلول (٥٥٤) مجموع الفتاوى (٩٧/٢٠)]

(۳) [نيل الأوطار (٤٢٤/١)]

(٤) [شرح مسلم للنووى (١٧٨/٤)]

(٥) [فتاوى إسلامية (٢٩٦/١)]

(٦) [فتاوى إسلامية (٣١١/١-٣١٢)]

کیا مقروض شخص قربانی کر سکتا ہے؟

شریعت سے کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ مقروض شخص قربانی نہیں کر سکتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ قرض لینے کے بعد اسے جلد از جلد اتارنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر مقروض شخص قربانی کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی بلکہ قربانی عبادت ہے اور نبی ﷺ کی سنت ہے اس لیے اگر مقروض شخص بھی قربانی جیسی عبادت کے ذریعے تقرب الٰہی حاصل کر سکتا ہے تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

قربانی اور منکرین حدیث

چونکہ قرآن میں قربانی کا ذکر مسائل حج کے ضمن میں ہوا ہے اس لیے منکرین حدیث نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ہے دیگر مسلمانوں کے لیے مشروع نہیں' لیکن یہ بات اس لیے درست نہیں کیونکہ کتاب وسنت میں متعدد مقامات پر قربانی کا حکم مطلق طور پر مذکور ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [الکوثر: ۲]

''اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یایها الناس! إن علی كل أهل بیت في كل عام أضحية))

''اے لوگو! بے شک ہر گھر والوں پر ہر سال قربانی مشروع ہے۔'' (۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر سال ہر گھر والوں کے لیے قربانی مشروع ہے اور یقیناً

---

(۱) [ابو داود (۲۷۸۸) كتاب الضحايا : باب ماجآء في إيجاب الأضاحي' ترمذی (۱۵۱۸) نسائی (۱۶۷/۷) ابن ماجة (۳۱۲۵) احمد (۲۱۵/٤) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤۲۱)]

ہر گھر والے حج کے لیے نہیں گئے ہوتے لہٰذا منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے۔

دارالحرب میں قربانی کا حکم

قربانی سنت مؤکدہ ہے اور باعث اجر و ثواب ہے اس لیے اگر دار الحرب میں بھی قربانی کی اجازت ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو قربانی نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ قربانی سنت ہے واجب نہیں اور مزید اس صورت میں اضطراری حالت بھی ہے اور ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی صادق آتا ہے کہ

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ٢٨٦]

''اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

کیا قربانی معاشی نقصان کا باعث ہے؟

فی الحقیقت یہ سوال ایسے لوگوں کا اٹھایا ہوا ہے جو مغرب زدہ مادہ پرست ہیں اور ہر عمل کو معاشی مفاد کے ساتھ تولتے ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں کہ

''دراصل اس وقت قربانی کی جو مخالفت کی جا رہی ہے اس کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کسی نے علمی طریقے پر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہو اور اس میں قربانی کا حکم نہ پایا ہو بلکہ اس مخالفت کی حقیقی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں لوگوں کے دل و دماغ پر معاشی مفاد کی اہمیت بری طرح مسلط ہو گئی ہے اور معاشی قدر کے سوا کسی چیز کی کوئی دوسری قدر ان کی نگاہ میں باقی نہیں رہی ہے۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس پر اوسطاً فی کس کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کے سامنے قربانی کے مجموعی خرچ کی ایک بہت بڑی رقم آتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ضائع کیا جا رہا ہے' حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کی جاتی تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہو سکتے تھے۔

مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سراسر غلط ذہنیت ہے جو غیر اسلامی اندازِ فکر سے ہمارے اندر پرورش پا رہی ہے۔ اگر اس کو اسی طرح نشو ونما پانے دیا گیا تو کل ٹھیک اسی طریقے سے استدلال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر سال اتنے لاکھ مسلمان اوسطا اتنا روپیہ سفر حج پر صرف کر دیتے ہیں جو مجموعی طور پر اتنے کروڑ روپیہ بنتا ہے، محض چند مقامات کی زیارت پر اتنی خطیر رقم سالانہ صرف کر دینے کے بجائے کیوں نہ اسے بھی قومی اداروں اور معاشی منصوبوں اور ملکی دفاع پر خرچ کیا جائے۔ یہ محض ایک فرضی قیاس ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع اسی ذہنیت کے زیر اثر ترکیہ کی لادینی حکومت نے 25 سال تک حج بند کیے رکھا ہے۔

پھر کوئی دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس میں اوسطا فی کس اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہو سکتی تھی۔ لیکن بُرا ہو ان ملاؤں کا کہ انھوں نے مسلمانوں کو نماز میں لگا کر صدیوں سے انھیں اس قدر خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے یہ بھی کوئی فرضی قیاس نہیں ہے بلکہ فی الواقع سوویت روس میں بہت سے ناصحین، مشفقین نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز کے معاشی نقصانات اسی منطق سے سمجھائے ہیں.......... پھر یہی منطق روزے کے خلاف بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جا سکتی ہے اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو ''ملاؤں کی ایجاد'' قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے۔(۱)

(۱) [تفہیمات حصہ دوم ص ۲۵۲ تا ۲٦۲ طبع نہم نومبر 1981ء۔ تفہیم الأحادیث (٤/٤٧٠)]

مسائل عقیقہ

مسائل عقیقہ

عقیقہ کا معنی و مفہوم

عقیقہ ایسے جانور کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔

صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ

((والعقیقة : صوف الجذع ' والشاة التی تذبح عند حلق شعر المولود))

''اور عقیقہ کھیرے کی اون کو اور اس بکری کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کے بال منڈانے کے وقت ذبح کی جاتی ہے۔'' (۱)

صاحب المعجم الوسیط نقل فرماتے ہیں کہ

((العقیقة : شعر کل مولود من الناس والبهائم ینبت وهو فی بطن أمه والذبیحة التی تذبح عن المولود یوم سبوعه عند حلق شعره))

''عقیقہ (کی مختلف تعریفیں ہیں) (1) ہر بچے کے وہ بال جو اسی وقت اگ آتے ہیں جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے خواہ وہ انسان کا بچہ ہو یا مویشیوں کا' (2) وہ جانور جسے نومولود بچے کی طرف سے پیدائش کے ساتویں روز اس کے بال منڈانے کے وقت ذبح کیا جاتا ہے۔'' (۲)

عربی گرائمر میں عقیقہ کرنے کے لیے باب عَقَّ یَعُقُّ (بروزن نصر) استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

---

(۱) [القاموس المحیط (ص/۸۳۹)]

(۲) [المعجم الوسیط (ص/٦١٦)]

(۳) [مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المنجد (٥٦٩) تحفة الأحوذی (٨٥/٥) نیل الأوطار (٣٩٨/٣) الفقه الإسلامی وأدلته (٢٧٤٥/٤)]

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ

((العقیقة : الذبیحه التی تذبح عن المولود))

''عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔''(۱)

امام ابن اثیرؒ بیان کرتے ہیں کہ

((العقیقة : الذبیحة التی تذبح عن المولود......ویقال للشعر الذی یخرج علی رأس المولود من بطن أمه))

''عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے نومولود بچے کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے......اور ان بالوں کو بھی کہا جاتا ہے جو بچے کے سر پر اس کی ماں کے پیٹ میں ہی نکل آتے ہیں۔''(۲)

عقیقہ کی مشروعیت

عقیقہ کرنا سنت مؤکدہ اور مستحب عمل ہے اس لیے جو شخص استطاعت رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنی اولاد کی طرف سے ضرور عقیقہ کرے۔ اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(1) ((عن سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: **مع الغلام عقیقة فأهریقوا عنه دما و أمیطو عنه الأذی**))

''حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' بچے کے ساتھ عقیقہ (لازم) ہے لہذا تم اس کی طرف سے قربانی کرو اور اس سے تکلیف دور کرو (یعنی اس کا سر منڈاؤ)۔''(۳)

(2) ((عن سمرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ : **کل غلام رهینة بعقیقته تذبح**

---

(۱) [المغنی (۳۹۳/۱۳)]

(۲) [النهایة (۲۷۶/۳-۲۷۷)]

(۳) [بخاری (۵۴۷۲) کتاب العقیقة : باب إماطة الأذی عن الصبی فی العقیقة' ابو داود (۲۸۳۹) ترمذی (۱۵۱۵) ابن ماجة (۳۱۶۴) احمد (۱۷/۴) دارمی (۸۱/۲) حمیدی (۸۲۳) شرح معانی الآثار (۴۵۹/۱) بیهقی (۲۹۹/۹)]

عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه))

''حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔'' (۱)

(3) ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ولد له ولد فأحب أن ينسك عنه فلينسك))

''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو ضرور قربانی کرے۔'' (۲)

امام شوکانی رحمہ اللہ کا فتوی:

((فالحاصل أن العقيقة سنة من سنن الإسلام))

''حاصل یہی ہے کہ عقیقہ اسلام کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔'' (۳)

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کا فتوی:

((والعقيقة سنة في قول عامة أهل العلم منهم ابن عباس' وابن عمر' وعائشة وفقهاء التابعين وائمة الأمصار وأصحاب الرائ قالو: ليست سنة وهى من أمر الجاهلية))

''اور عقیقہ سنت ہے عام اہل علم' جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت ابن

(۱) [ابو داود (۲۸۳۸) کتاب الضحایا : باب فی العقیقة' ترمذی (۱۵۲۲) ابن ماجة (۳۱۶۵) نسائی (۱۶۶/۷) ابن الجارود (۹۱۰) حاکم (۲۳۷/٤) احمد (۱۷/۵) دارمی (۸۱/۲) مشکل الآثار (٤۵۳/۱) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤٦۳)]

(۲) [ابو داود (۲۷٤۲) کتاب الضحایا : باب فی العقیقة' احمد (۱۸۲/۲) نسائی (۱٦۲/۷) مشکل الآثار(٤٦۱/۱) حاکم (۲۳۸/٤)]

(۳) [السیل الجرار (۲۵۱/۳)]

عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، فقہائے تابعین اور ائمہ امصار شامل ہیں، کا یہی قول ہے مگر اصحاب الرائے نے کہا ہے کہ عقیقہ سنت نہیں ہے بلکہ جاہلیت کی ایک رسم ہے۔''(۱)

شیخ ابن جبرین کا فتویٰ:

((العقیقة هی النسیکة التی تذبح عن المولود وهی سنة مؤکدة ویری بعض العلماء وجوبها لقوله ﷺ "**کل غلام مرتهن بعقیقة تذبح یوم سابعه ویسمی**" لکن هذا الحدیث یفید آکدیتها فالأصل عدم الوجوب))

''عقیقہ ایسی قربانی کو کہتے ہیں جو نومولود بچے کی طرف سے ذبح کی جاتی ہے اور یہ سنت مؤکدہ ہے۔ بعض علماء کے خیال میں واجب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں روز اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔'' لیکن یہ حدیث محض اس کی تاکید کا فائدہ دیتی ہے اور اصل عدم وجوب ہی ہے۔''(۲)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ:

((وقد اختلف أهل العلم فی کونها سنة أو واجبة وأکثر أهل العلم علی أنها سنة مؤکدة))

''عقیقہ کے سنت یا واجب ہونے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے لیکن اکثر اہل علم کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔''(۳)

عقیقہ کی حکمت

یقیناً اولاد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور ہر نعمت کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ نے

(۱) [المغنی (۳۹۳/۱۳)]

(۲) [فتاوی إسلامیة (۳۲٤/۲)]

(۳) [فتاوی إسلامیة (۳۲٤/۲)]

ضروری قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ [النحل : ١١٤]

''اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

ایک اور آیت میں ہے کہ

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾ [البقرة :١٥٢]

''سو تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا' اور میری شکر گزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔''

اس لیے عقیقہ مشروع قرار دے دیا گیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نعمت عطا کرنے پر اس کا شکر بھی ادا ہو جائے اور اقرباء و دوست احباب کی ضیافت کے ساتھ ساتھ غرباء اور مساکین کا بھی فائدہ ہو جائے۔

شیخ ابن عثیمینؒ کا فتوی:

((عقیقة المولود هي الذبيحة التي تذبح تقربا إلى الله عزو جل وشكرا له على نعمة المولود في اليوم السابع من ولادته))

''بچے کا عقیقہ ایسی قربانی ہے جسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اور نعمت اولاد پر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔''(١)

اگر عقیقہ کی طاقت نہ ہو

مندرجہ ذیل دلائل اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں:

(1) ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن : ١٦]

''حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔''

(2) ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ [البقرة : ٢٨٦]

(١) [فتاوى إسلامية (٢/٣٢٤)]

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔''

(3) ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا﴾ [البقرة : ٢٨٦]

''اے ہمارے رب! ہم پر اس قدر بوجھ نہ ڈال جس کی ہم میں طاقت نہیں۔''

(4) حدیث نبوی ہے کہ

((إذا أمرتكم بأمر فاتوا منه مااستطعتم))

''جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو جتنی تم میں طاقت ہو اس پر عمل کرلو۔''(١)

(5) یہ بات اصول میں بھی ثابت ہے کہ

((لا يجوز التكليف بالمستحيل))

''ناممکن کام کی تکلیف جائز نہیں ہے۔''(٢)

شیخ ابن عثیمینؒ کا فتوی:

((فإذا كان الإنسان فقيرا عند ولادة أولاده فليس عليه عقيقة لأنه عاجز والعبادات تسقط بالعجز عنها))

''اگر انسان اپنی اولاد کی پیدائش کے وقت فقیر ہو تو اس پر عقیقہ لازم نہیں ہے کیونکہ وہ عاجز ہے اور عاجز ہونے کی وجہ سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔''(٣)

عقیقہ کے لیے کون سا جانور قربان کیا جائے؟

احادیث میں عقیقہ کے لیے جن جانوروں کی قربانی کا ذکر ملتا ہے وہ بکری (یعنی نر یا مادہ) اور دنبہ ہے جیسا کہ اُن احادیث میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(1) ((عن أم كرز الكعبية رضى الله عنها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول

(١) [مسلم (١٣٣٧) نسائى (١١٠/٥ـ ١١١)]

(٢) [إرشاد الفحول (٣٠/١) الإحكام للآمدى (١٨٧/١) المستصفى للغزالى (٧٤/١) الوجيز (ص/٧٧)]

(٣) [فتاوى إسلامية (٣٢٦/٢)]

عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة))

''حضرت اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''لڑکے کی طرف سے دو برابر بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (قربان کی جائے)۔'' (۱)

(2) عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ولد له ولد فأحب أن ينسك عنه فلينسك عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة))

''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کر دے۔'' (۲)

(3) ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((نعم عن الغلام شاتان وعن الأنثى واحدة))

''ہاں' لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک (بکری قربان کرو)۔'' (۳)

---

(۱) [ابو داود (۲۸۳٤) کتاب الضحایا : باب فی العقیقة' نسائی (۱٦٥/۷) دارمی (۸۱/۲) ابن حبان (۱۰٦۰۔ الموارد) احمد (۳۸۱/٦) حمیدی (۱٦۷/۱) عبد الرزاق (۷۹٥۳) بیهقی (۳۱۰/۹) شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤٥۸) إرواء الغلیل (۳۹۰/٤)]

(۲) [ابو داود (۲۸٤۲) کتاب الضحایا : باب فی العقیقة' احمد (۱۸۲/۲) نسائی (۱٦۲/۷) مشکل الآثار (٤۲۱/۱) حاکم (۲۳۸/٤) بیهقی (۳۰۰/۹) امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔]

(۳) [احمد (۳۸۱/٦) نسائی (۱٦٥/۷) ترمذی (۱٥۱٦) ابن حبان (۱۰٥۹۔ الموارد) حاکم (۲۳۷/٤) دار قطنی (۲۷۰/٤) بیهقی (۳۰۱/۹) حمیدی (۱٦٦/۱) شرح السنة (۲٦٥/۱۱)]

(4) ((عن عائشة رضی الله عنها أنها قالت : أمرنا رسول الله ﷺ أن يعق عن الغلام شاتين عن الجارية شاة))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری بطور عقیقہ قربان کی جائے۔''(۱)

(5) ((عن ابن عباس رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ عق عن الحسن والحسين بكبشين كبشين))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو دنبے ذبح کیے۔''(۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے لیے صرف بکری اور دنبے کا ہی ذکر کیا ہے اس لیے صرف یہی جانور ذبح کرنے چاہئیں۔

البتہ بعض علماء نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی درست قرار دیا ہے جیسا کہ امام شوکانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

((والجمهور على إجزاء البقر والغنم))

''اور جمہور گائے اور بکری کو (عقیقہ کے لیے) کافی قرار دیتے ہیں۔''(۳)

اور دکتور وھبہ زحیلی نقل فرماتے ہیں کہ

((هى مثل الأضحية من الأنعام : الإبل والبقر والغنم وقيل لا يعق بالبقر ولا بالإبل))

---

(۱) [مصنف عبد الرزاق (۲۴۲۳۶) كتاب العقيقة]

(۲) [نسائی (۴۲۲۴) كتاب العقيقة : باب كم يعق عن الجارية ' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح نسائی (۳۹۳۵) إرواء الغليل (۱۱۶۴)]

(۳) [نيل الأوطار (۵۰۶/۳)]

''عقیقہ بھی قربانی کی طرح انعام یعنی اونٹ' گائے اور بھیڑ بکریوں سے کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گائے اور اونٹ سے عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔''(۱)

جن حضرات نے عقیقہ کے لیے اونٹ اور گائے کی قربانی کو بھی جائز کہا ہے ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی وہ روایت ہے جس میں یہ لفظ ہیں:

((یعق عنه من الإبل و البقر و الغنم))

''بچے کی طرف سے اونٹ' گائے اور بکری سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے۔''

لیکن وہ روایت ثابت نہیں۔(۲)

لہذا ثابت ہوا کہ صحیح احادیث میں صرف بکری اور دنبہ ذبح کرنے کا ذکر ملتا ہے اس لیے عقیقہ میں صرف انہی کو قربان کیا جائے گا۔(واللہ اعلم)

عبدالمنان نور پوری کا فتوی:

صحیح بخاری (ص ۸۲۲/۲) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مع الغلام عقیقة فأهریقوا عنه دما ' أمیطوا عنه الأذی))

''ہر پیدا ہونے والے لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے ایذا کو دور کرو۔''

- گائے' اونٹ اور بھینس کا عقیقہ درست نہیں کیونکہ ترمذی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((عن الغلام شاتان' وعن الجاریة شاة))

''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرو عقیقہ میں اور لڑکی کی طرف سے ایک''

---

(۱) [الفقه الإسلامی و أدلته (۶۳۷/۳)]

(۲) [طبرانی صغیر (۸۴/۱) فتح الباری (۱۱/۱۱) امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مسعدۃ بن الیسع راوی کذاب ہے۔[مجمع الزوائد (۶۱/۴)]

اور شاۃ میں صرف بھیڑ اور بکری کی جنس آتی ہے گائے اور اونٹ شاۃ میں شامل نہیں تو بڑے جانور کو ایک لڑکے یا لڑکی کے عقیقہ میں بھی ذبح نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی چھ سات لڑکے لڑکیوں کے عقیقہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔ اونٹ اور گائے کے عقیقہ کے متعلق ایک روایت پیش کی جاتی ہے مگر وہ کمزور ہے عقیقہ کے جانور کے لیے مسنہ (دودانتا یا اس کے اوپر والا) ہونا کوئی لازمی نہیں بعض اہل علم اضحیہ قربانی پر قیاس کرتے ہیں اور مسنہ کو لازمی قرار دیتے ہیں لیکن نص میں شاتان اور شاۃ عام ہیں مسنہ اور غیر مسنہ دونوں کو شامل ہیں تو نص مقدم ہے لہٰذا عقیقہ میں مسنہ لازمی نہیں۔(۱)

عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ؟

عقیقہ کے لئے نر اور مادہ دونوں طرح کے جانور قربان کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث اس کی دلیل ہے:

((عن أم كرز رضى الله عنها أنها سمعت رسول الله ﷺ فى العقيقة قال :

عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة لايضركم ذكرانا كن أو إناثا))

''حضرت اُم کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سنا آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے' (یہ جانور) نر ہوں یا مادہ تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں دے گی۔'' (۲)

عقیقہ کے لیے کتنے جانور قربان کیے جائیں

لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری قربان کی جائے گی جیسا کہ حضرت اُم کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۴۷)]

(۲) [صحيح موارد الظمآن للألبانى (۸۸۵) كتاب الأضاحى : باب ماجاء فى العقيقة ' المشكاة (۴۱۵۲) إرواء الغليل (۴/۳۹۰) صحيح ابو داود (۲۵۲۵)]

((عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة))

''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کی جائے)۔''(۱)

امام ابوداودؒ فرماتے ہیں کہ

((أی متستاویتان أو متقاربتان))

''یعنی دونوں بکریاں ایک دوسرے کے مساوی یا ایک دوسرے کے قریب قریب ہوں۔''(۲)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ

((التكافؤ فی السن فلا تكون إحداهما مسنة والأخرى غير مسنة))

''دونوں جانور عمر میں برابر ہوں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے ایک دوندا ہو اور دوسرا دوندا نہ ہو۔''(۳)

البتہ ایک روایت میں ہے کہ

((عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ أن رسول الله ﷺ عق عن الحسن والحسین کبشا کبشا))

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک ایک دنبہ ذبح کیا۔''(٤)

(1) جن احادیث میں دو بکریوں کا ذکر ہے وہ زیادتی پر مشتمل ہیں لہذا اس حیثیت سے وہ قبول کیے جانے کی زیادہ مستحق ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ہی ایک

---

(۱) [ابو داود (۲۸۳٤) كتاب الضحايا : باب فی العقيقة ' إرواء الغليل (٤/٣٩٠)]

(۲) [سنن أبی داود (بعد الحديث/٢٨٣٤)]

(۳) [معالم السنن (٤/٢٨٤)]

(٤) [ابو داود (٢٨٤١) كتاب الضحايا : باب فی العقيقة ' نسائی (٧/١٦٥) مشكل الآثار (١/٤٥٧) عبد الرزاق (٧٨٦٢)]

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے دو دو دنبے ذبح کیے۔

(2) قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے (یعنی اگرچہ آپ ﷺ نے خود لڑکے کی طرف سے بھی ایک دنبہ ذبح کیا ہے لیکن ہمیں لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے کا کہا ہے اس لیے ہمیں اس پر عمل کرتے ہوئے لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنے چاہییں)۔

(3) آپ کا ایک بکری پر اکتفاء کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ (لڑکے کی طرف سے) دو بکریاں متعین نہیں بلکہ مستحب ہیں اور ایک بکری مستحب نہیں بلکہ جائز ہے۔(۱)

اور شیخ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

''یہ حدیث صحیح تو ہے لیکن اس سے بھی زیادہ صحیح سنن نسائی کی وہ حدیث ہے جس میں ''کبشین کبشین'' یعنی دو دو دنبے قربان کرنے کا ذکر ہے۔''(۲)

درج بالا بحث سے معلوم ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور ذبح کرنا ہی زیادہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اس لیے اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت بسم اللہ کہنا

عقیقہ کا جانور قربان کرتے وقت قربانی کی طرح بسم اللہ کہنا چاہیے۔

((عن قتادة قال : يسمى على العقيقة كما يسمى على الأضحية : بسم الله عقيقة فلان))

''حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: عقیقہ پر اُسی طرح بسم اللہ کہنی چاہیے جیسے قربانی پر بسم اللہ کہی جاتی ہے (مثلاً) **بسم الله عقيقة فلان** (اللہ کے نام کے ساتھ فلاں کا عقیقہ کیا جاتا ہے)۔''(۳)

(۱) [نيل الأوطار (٥٠١/٣)]

(۲) [صحيح ابو داود (٢٤٦٦)]

(۳) [مصنف عبد الرزاق (٢٤٢٦٠) كتاب العقيقة]

عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط

احادیث میں مطلقاً شاۃ یا شاتین کا لفظ ہے۔اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قربانی کے جانور کی شرائط عائد نہیں کی جائیں گی۔

امام شوکانیؒ کا فتوی:

((وقد استدل بإطلاق الشاتين على عدم الاشتراط وهو الحق))

اور تحقیق ''شاتین'' (یعنی دو بکریوں کے لفظ) کے مطلق طور پر ذکر سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عقیقہ کے جانور میں وہ شرائط عائد نہیں کی جائیں گی جو قربانی کے جانور کی ہیں اور یہی بات برحق ہے۔'' (۱)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کا فتوی:

((لم يثبت الاشتراط بحديث صحيح أصلا بل ولا بحديث ضعيف فالذين قالوا بالاشتراط ليس لهم دليل غير القياس))

''اصلاً کسی بھی صحیح حدیث سے یہ شرائط عائد کرنا ثابت نہیں ہوتا بلکہ نہ ہی کسی ضعیف حدیث سے ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ یہ شرائط لگانے کے قائل ہیں ان کے پاس قیاس کے سوا کوئی دلیل نہیں۔'' (۲)

تاہم عقیقہ کے جانور کے ساتھ متقارب یا مساوی کی قید اس بات کی متقاضی ہے کہ شریعت نے قربانی کے جانور میں جن عیوب ونقائص سے بچنے کا حکم دیا ہے انہیں عقیقہ کے جانور میں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔(واللہ اعلم)

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((وأنه يمنع فيها من العيب ما يجتنب في الأضحية))

---

(۱) [نيل الأوطار (۵۰۶/۳)]

(۲) [تحفة الأحوذي (۹۹/۵)]

''اور بلا شبہ عقیقہ کے جانور میں بھی ان عیوب سے بچا جائے گا جن سے قربانی (کے جانور) میں اجتناب کیا جاتا ہے۔''(۱)

عقیقہ کا وقت

عقیقہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز کیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن سمرة رضی الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : **كل غلام مرتهن بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى**))

''حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔ پیدائش کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے۔ سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔''(۲)

امام ترمذیؒ رقمطراز ہیں کہ

((و العمل على هذا عند أهل العلم يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع))

''اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ وہ ساتویں روز بچے کی طرف سے عقیقہ کا جانور ذبح کرنا مستحب سمجھتے ہیں۔''(۳)

امام ابن قدامہؒ کا فتوی:

((قال أصحابنا : السنة أن تذبح يوم السابع))

''ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ سنت یہ ہے: ساتویں دن (عقیقہ کا جانور) ذبح

(۱) [المغنی (۳۹۹/۱۳)]

(۲) [ابو داود (۲۸۳۸'۲۷۳۷) کتاب الضحايا : باب في العقيقة ' ابن ماجة (۳۱٦٥) ترمذی (۱۵۲۲) نسائی (١٦٦/٧) حاکم (٢٣٧/٤) بیهقی (۳۰۳/۹)]

(۳) [ترمذی (بعد الحدیث/ ۱۵۲۲)]

کیا جائے۔''(۱)

اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے عقیقہ کر لے

ایسا شخص سنت کی خلاف ورزی کرنے والا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیقہ کے لیے جو دن مقرر فرمایا ہے وہ پیدائش کا ساتواں روز ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے اتنا ضرور ہے کہ اگر کوئی ساتویں روز سے پہلے ہی عقیقہ کر لیتا ہے تو بچہ گروی سے آزاد ہو جائے گا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔'' اب چونکہ عقیقہ ہو چکا ہے اس لیے وہ گروی سے تو آزاد ہو گیا ہے لیکن یہ شخص سنت کو نہیں حاصل کر سکا کیونکہ سنت یہی ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

کیا ساتویں روز کے بعد عقیقہ کیا جا سکتا ہے؟

ساتویں روز کے بعد بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے خواہ بچہ بالغ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو کیونکہ وہ بچہ ابھی تک گروی ہے اور اسے گروی سے چھڑانے کے لیے عقیقہ ہی کرنا پڑے گا۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز کے بعد چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرنا چاہیے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((تذبح لسبع أولأ ربع عشرة أولإحدى وعشرين))

''عقیقہ کا جانور ساتویں روز ذبح کیا جائے یا چودھویں روز یا اکیسویں روز۔''(۲)

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((نعم' تجزئ ولكن تاخيرها عن اليوم السابع من الولادة خلاف السنة وكل طفل أو طفلة مات صغيرا ينفع الله به من صبر من والديه المومنين))

''ہاں (ساتویں روز کے بعد بھی) عقیقہ کفایت کر جاتا ہے لیکن پیدائش کے

---

(۱) [المغنی (۳۹٦/۱۳)]

(۲) [صحیح الجامع الصغیر (٤٠١١)]

ساتویں روز سے اسے مؤخر کر دینا خلاف سنت ہے اور ہر لڑکا اور لڑکی جو بچپن میں فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کے مومن والدین میں سے اس کو نفع دے گا جس نے صبر کیا۔'' (۱)

ایک اور فتویٰ کے الفاظ یوں ہیں:

((وإذا مضى اليوم السابع ولم يعق عنه فرأى بعض الفقهاء أنه لا يسن أن يعق عنه بعده لأن النبي ﷺ وقتها باليوم السابع وذهب الحنابلة و جماعة من الفقهاء إلى أنه يسن أن يعق عنه ولو بعد شهر أو سنة أو أكثر))

''اگر ساتواں روز گزر جائے اور اس کی طرف سے عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو بعض فقہا کا خیال ہے کہ اس کے بعد اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ساتواں روز ہی اس کا وقت مقرر کیا ہے۔

تاہم حنابلہ اور فقہا کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اس کی طرف سے بھی عقیقہ کرنا مسنون ہے خواہ ایک ماہ کے بعد کیا جائے یا سال کے بعد یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد۔'' (۲)

کیا انسان خود اپنا عقیقہ کر سکتا ہے؟

اگر کسی کے والدین عقیقہ کے مسائل سے لاعلمی و جہالت یا غربت و افلاس یا کسی اور وجہ سے اس کا اپنی زندگی میں عقیقہ نہ کر سکے ہوں تو وہ خود بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے کیونکہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہے۔'' اس لیے گروی سے آزاد ہونے کے لیے اسے عقیقہ کر لینا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۲۵/۲)]

(۲) [فتاوى إسلامية (۳۲۶/۲)]

امام عطاءؒ اور امام حسنؒ کا فتوی:

((یعق عن نفسه لأنها مشروعة عنه و لأنه مرتهن بها فينبغي أن يشرع له فكاك نفسه))

''انسان اپنی طرف سے بھی عقیقہ کرسکتا ہے کیونکہ یہ اس کی طرف سے مشروع ہے اور اس لیے بھی کہ وہ عقیقہ کے عوض گروی ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ اس کے لیے اپنے نفس کو (گروی سے) چھڑانا مشروع قرار دیا جائے۔''

البتہ حنابلہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمدؒ نے اس مسئلہ کے متعلق یہ فتوی دیا ہے کہ ((ذلك على الوالد)) ''یہ (عقیقہ کرنا صرف) والد کی ذمہ داری ہے۔''(۱)

امام شافعیؒ کا فتوی:

((فإن تأخرت إلى البلوغ سقطت عمن كان يريد أن يعق عنه لكن إن أراد هو أن يعق عن نفسه فعل))

''اگر عقیقہ بلوغت تک مؤخر ہو جائے تو اُس سے (عقیقہ کرنے کا حکم) ساقط ہو جائے گا جو اس بچے کی طرف سے عقیقہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لیکن اگر وہ خود اپنی طرف سے عقیقہ کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔''(۲)

عقیقہ کے بجائے جانور کی قیمت صدقہ کر دینا

افضل یہ ہے کہ جانور کی قیمت صدقہ کرنے کے بجائے عقیقہ کیا جائے کیونکہ یہی مسنون ہے اور اسی کی نبی ﷺ نے تلقین فرمائی ہے۔

امام ابن قدامہؒ رقمطراز ہیں کہ

(۱) [المغني (۱۳/۳۹۷)]

(۲) [نيل الأوطار (۳/۵۰۰)]

((والعقيقة أفضل من الصدقة بقيمتها نص عليه أحمد وقال إذا لم يكن عنده ما يعق فاستقرض رجوت أن يخلف الله عليه إحياء سنة قال ابن المنذر: صدق أحمد ' إحياء السنن واتباعها أفضل وقد ورد فيها من التاكيد في الأخبار التي رويناها ما لم يرد في غيرها ولأنها ذبيحة أمر النبي ﷺ بها فكانت أولىٰ كالوليمة والأضحية))

''عقیقہ کی قیمت صدقہ کرنے سے عقیقہ کے جانور کو ذبح کر دینا افضل ہے۔ امام احمدؒ نے اس پر نص بیان کی اور کہا کہ جب کسی کے پاس اس قدر مال نہ ہو کہ جس سے عقیقہ کر سکے تو قرض لے لے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سنت زندہ کرنے کی وجہ سے پورا پورا بدلہ دے گا۔ امام ابن منذرؒ نے کہا: امام احمدؒ نے سچ فرمایا ہے (یقیناً) سنتوں کو زندہ کرنا اور ان کی اتباع کرنا ہی افضل ہے اور اس کے متعلق ان روایات میں کہ جنہیں ہم نے روایت کیا ہے اس قدر تاکید وارد ہوئی ہے جو اس کے علاوہ کسی اور مسئلہ میں وارد نہیں ہوئی۔ اور کیونکہ یہ ایسا ذبیحہ ہے کہ جس کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہے لہذا ولیمہ اور قربانی کی طرح یہی زیادہ اولیٰ ہے۔'' (۱)

حافظ عبد المنان نوری پوری کا فتویٰ:

کسی نے دریافت کیا کہ اگر عقیقہ کے لیے جانور خریدنے کی بجائے ان جانوروں کی قیمتیں حسب بھاؤ یا حسب توفیق کسی غریب آدمی' بیوہ عورت یا یتیم بچوں کو دے دے جو اپنی گزران سے تنگ ہوں اور وہ ان پیسوں سے اپنا نان ونفقہ یا لباس وغیرہ کا انتظام کر سکیں تو کیا اس صورت میں عقیقہ ہو جائے گا یا جانور ہی ذبح کرنا پڑے گا؟

تو حافظ صاحب نے جواب میں کہا: یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ

(۱) [المغنی (۳۹۵/۱۳)]

((عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة))

''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ میں ذبح کرو اور لڑکی کی طرف سے ایک''

اور مذکورہ طریقہ اختیار کرنے سے آپ ﷺ کے فرمان پر عمل نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم) (۱)

ناتمام بچے کی طرف سے عقیقہ کا حکم

اگر چہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر بچہ روح پھونکے جانے کے بعد پیدا ہو تو اس کا عقیقہ کیا جائے گا لیکن ہمارے علم کے مطابق ناتمام بچے پر چونکہ ساتواں روز نہیں آیا اور عقیقہ کے لیے پیدائش کا ساتواں روز مقرر کیا گیا ہے اس لیے ایسے بچے کا عقیقہ نہیں کیا جائے گا۔

سعودی مجلس افتاء کا فتوی:

((ولا عقيقة عن السقط ولو تبين أنه ذكر أو أنثى إذا سقط قبل نفخ الروح فيه لأنه لا يسمى غلاما ولا مولودا وتذبح العقيقة في اليوم السابع من الولادة))

''ناتمام بچے کی طرف سے عقیقہ نہیں ہے اگر چہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی جبکہ وہ روح پھونکے جانے سے پہلے ساقط ہو جائے کیونکہ اسے غلام اور مولود (یعنی بچہ) کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور عقیقہ کا جانور پیدائش کے ساتویں روز ذبح کیا جاتا ہے۔'' (۲)

اگر بچہ ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے

عقیقہ کا وقت ساتواں دن مقرر کیا گیا ہے اور اس سے پہلے فوت ہونے والے

(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۴۸)]

(۲) [فتاوی إسلامية (۲/۳۲٦)]

بچے پر چونکہ یہ وقت آیا ہی نہیں اس لیے اس کی طرف سے عقیقہ بے معنی ہے۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے زوال آفتاب سے پہلے اگر کوئی نماز ظہر کی سنتیں ادا کرتا ہے تو حتمی طور پر ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ (واللہ اعلم)

سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ:

((وإذا ولد الجنين حيا ومات قبل اليوم السابع فيسن أن يعق عنه في اليوم السابع))

''اگر بچہ زندہ پیدا ہوا اور پھر ساتویں روز سے پہلے فوت ہو جائے تو ساتویں روز اس کی طرف سے عقیقہ کرنا مسنون ہے۔'' (۱)

امام شوکانیؒ حدیث کے ان الفاظ ((یوم سابعه)) کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

((فيه دليل على أن وقت العقيقة سابع الولادة وأنها تفوت بعده وتسقط إن مات قبله))

''اس میں دلیل ہے کہ عقیقہ کا وقت ولادت کا ساتواں روز ہے اور بلاشبہ یہ اس (دن) کے بعد فوت ہو جاتا ہے اور اگر وہ بچہ اس (دن) سے پہلے فوت ہو جائے تو (عقیقہ) ساقط ہو جاتا ہے۔'' (۲)

ہمارے علم کے مطابق زیادہ مناسب بات وہی ہے جسے ابتدا میں بیان کر دیا گیا ہے۔

میت کی طرف سے عقیقہ

فوت ہونے والا بیٹا ہو (بشرطیکہ اس پر ساتواں روز گزر چکا ہو) یا والد دونوں کی طرف سے عقیقہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر بچے کو اپنے عقیقہ کے عوض گروی قرار دیا ہے اور گروی کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی کے فوت ہونے کے بعد بھی چھڑایا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

---

(۱) [فتاوی إسلامية (۳۲۶/۲)]

(۲) [نيل الأوطار (۴۹۹/۳)]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی:

((العقيقة لا تشرع للميت......وأما الميت فلا يعق عنه ولكن يدعى له بالمغفرة والرحمة والدعاء وإن أهدى إلى الميت ثواب عمل صالح كأن يتصدق عنه بشي أو يصلي المسلم ركعتين أو يقرأ بعضا من القرآن و ينوي ثوابه له فلا حرج ولكن الدعاء أفضل من هذا كله لأنه هو الذى أرشد إليه ﷺ))

''میت کی طرف سے عقیقہ مشروع نہیں ہے.........میت کی طرف سے عقیقہ تو نہیں کیا جائے گا لیکن اس کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جا سکتی ہے اور اگر کسی نیک عمل کا ثواب میت کو ہدیہ کر دیا جائے مثلا اس کی طرف سے کوئی چیز صدقہ کر دی جائے یا مسلمان دو رکعت نماز ادا کرے یا قرآن کا کچھ حصہ تلاوت کرے اور نیت کرے کہ اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ان تمام کاموں سے دعا ہی افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔'' (۱)

زندہ والدین کی طرف سے عقیقہ

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''کہ ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے'' سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی طرف سے اگر عقیقہ نہ کیا گیا ہو تو اولاد بھی ان کی طرف سے عقیقہ کر سکتی ہے کیونکہ گروی کوئی بھی چھڑا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کا مصرف

عقیقہ کے جانور کے گوشت اور کھال کے کسی خاص استعمال کے متعلق احادیث میں کہیں ذکر موجود نہیں اس لیے انہیں بھی اسی طرح استعمال کر لینا چاہیے جیسے قربانی کا گوشت

(۱) [فتاوی إسلامیه (۳۲۵/۲)]

اور کھال استعمال کی جاتی ہے۔

دکتور وھبہ زحیلی رقمطراز ہیں کہ

((حکم لحمها و جلدها کالضحایا یو کل من لحمها و یتصدق منه ولا یباع شیئ منها))

''عقیقہ کے (جانوروں کے) گوشت اور چمڑے کا حکم قربانیوں کی طرح ہی ہے۔ (یعنی) ان کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور اس سے صدقہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے کوئی چیز فروخت نہیں کی جا سکتی۔'' (۱)

❋❋❋

(۱) [الفقه الإسلامي وأدلته (۶۳۹/۳)]

نومولود سے متعلقہ مسائل

نومولود سے متعلقہ چند ضروری احکام

بچے کے کان میں اذان اور اقامت کا حکم

اقامت کہنا تو بالکل ثابت نہیں ہے کیونکہ جس حدیث میں اس کا ذکر ہے وہ قابل حجت نہیں جیسا کہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

((من ولد له ولد فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى لم تضره أم الصبيان))

''جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو اور وہ اس کے دائیں کان میں آذان اور بائیں میں اقامت کہے تو اسے ام صبیان کی بیماری نقصان نہیں پہنچائے گی۔''(۱)

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی روایت بھی مستند نہیں ہے۔(۲)

علاوہ ازیں آذان کہنے کے متعلق روایت بھی ضعیف ہے اس کی سند میں عاصم بن عبیداللہ راوی کی صحت میں اختلاف ہے۔(۳)

تاہم دیگر شواہد کی بنا پر یہ حدیث حسن درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

((أذن في أذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة))

''جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو جنا تو آپ

---

(۱) [شعب الإيمان للبيهقي (۸٦۲۰)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ [الضعيفة (۳۲۰/۱)' (۲۳۲۱) إرواء الغليل (۱۱۷٤)] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[تلخيص الحبير (۱٤۹/٤)]

(۲) [تلخيص الحبير (۲۷۳/٤)]

(۳) [تهذيب التهذيب (٥ى٦/٤٦) تقريب التهذيب (۳۸٤/۱) ميزان الاعتدال (۳٥۳/۲)]

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں نماز کے لیے (کہی جانے والی) آذان کی طرح آذان کہی۔'' (۱)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ

یہ حدیث ضعیف ہے لیکن حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی اُس روایت سے کہ جسے امام ابویعلی موصلی رحمہ اللہ اور امام ابن سنی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے مضبوط وقوی ہو جاتی ہے۔ (۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے۔ (۳)

امت کا متواتر ومتوارث عمل بھی اسے قابل احتجاج بنا دیتا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے۔ (٤)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

((السنة أن يؤذن في أذن المولود عند ولادته ذكرا كان أو أنثى ويكون الأذان بلفظ أذان الصلوة))

''نومولود خواہ لڑکا ہو یا لڑکی' اس کے کان میں آذان کہنا سنت ہے اور آذان انہی الفاظ میں کہی جائے جن میں نماز کے لیے کہی جاتی ہے۔'' (٥)

واضح رہے کہ اس آذان کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے جب بھی مسلمان اس پر قادر ہو آذان کہہ دے۔ (٦)

---

(۱) [ترمذی (١٥١٦) كتاب الأضاحي : باب الأذان في أذن المولود ' أبو داود (٥١٠٥) أحمد (٣٩١-٩/٦) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[صحيح ترمذی (١٢٢٤) صحيح أبو داود (٤٢٥٨) إرواء الغليل (١١٧٣)]

(۲) [تحفة الأحوذي (٩١/١)]

(۳) [ترمذی (١٥١٦)]

(٤) [زاد المعاد (٣٣٣/٢)]

(٥) [المجموع (٤٤٢/٨)]

(٦) [أحسن الفتاوى (٢٧٦/٢)]

بچے کا سر منڈانا

پیدائش کے ساتویں روز بچے کا سر منڈا کر اس کے سر کی پیدائشی آلائش کو صاف کر کے اسے نہلانا چاہیے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن سمرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: **كل غلام رهينة بعقيقة تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه**))

''حضرت سمرة رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔'' (۱)

بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ

جب بچے کا سر منڈا دیا جائے تو اس کے سر سے اترنے والے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دینا بھی مشروع ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال عق رسول الله عن الحسن بشاة وقال: **يا فاطمة احلقي رأسه وتصدقي بزنة شعره فضة**))

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے بکری کے ساتھ عقیقہ کیا اور فرمایا اے فاطمہ! اس کا سر منڈاؤ اور اس کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دو۔'' (۲)

(۱) [ابو داود (۲۸۳۸) كتاب الضحايا : باب في العقيقة ' ترمذی (۱۵۲۲) ابن ماجة (۳۱٦۵) نسائی (۱٦٦/۷) ابن الجارود (۹۱۰) حاکم (۲۳۷/٤) احمد (۱۷/۵) دارمی (۸۱/۲) مشکل الآثار (٤۵۳/۱) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۲٤٦۳)]

(۲) [ترمذی (۵۹/۵)] اسی معنی کی حدیث مسند احمد (۳۹۰/٦) اور السنن الكبرى للبيهقي (۳۰٤/۹) میں بھی ہے۔ شیخ محمد صبحی حلاق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[التعليق على السيل الجرار (۲۵۲/۳)]

امام شوکانیؒ کا فتویٰ:

((ومن توابع العقيقة التصدق بوزن شعر رأس الصبی من الورق))

''عقیقہ کی تابع اشیاء میں سے بچے کے سر کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کر دینا بھی ہے۔''(۱)

امام ابن قدامہؒ کا فتویٰ:

((وإن تصدق بزنة شعره فضه فحسن))

''اور اگر کوئی بچے کے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر دے تو بہتر ہے۔''(۲)

سید سابقؒ کا فتویٰ:

((ومن السنة أن يختار للمولود اسم حسن ويحلق شعره ويتصدق بوزنه فضة إن تيسر ذلك))

''سنت سے یہ بھی ہے کہ بچے کے لیے اچھا نام تجویز کیا جائے اور اس کے بال منڈائے جائیں اور ان کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ کر دیا جائے اگر یہ میسر ہو۔''(۳)

بچے کے بال منڈا کر سر پر خوشبو لگانا

((عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت : كانوا فی الجاهلية إذا عقوا عن الصبی خضبوا قطنة بدم العقيقة فإذا حلقوا رأس الصبی وضعوها عی رأسه فقال النبی ﷺ "اجعلوا مكان الدم خلوقا"))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جاہلیت میں لوگ جب بچے کی طرف سے عقیقہ کرتے تو عقیقہ کے خون کے ساتھ روئی کا ایک ٹکڑا رنگ دیتے پھر جب بچے کا سر منڈاتے تو اس ٹکڑے کو بچے کے سر پر رکھ دیتے پس نبی ﷺ نے فرمایا ''تم خون کی جگہ

(۱) [السيل الجرار (۲۵۲/۳)]
(۲) [المغنی (۳۹۷/۱۳)]
(۳) [فقه السنة (۱۹۹/۳)]

خلوق (ایک قسم کی خوشبو) رکھا کرو۔" (۱)

خلوق کے متعلق امام ابن اثیرؒ قمطراز ہیں کہ

((وھو طیب معروف مرکب یتخذ من زعفران وغیرہ من أنواع الطیب وتغلب علیه الحمرۃ و الصفرۃ))

"یہ ایک معروف مرکب خوشبو ہے جسے زعفران اور دیگر خوشبو کی اقسام سے بنایا جاتا ہے اور اس پر سرخ اور زرد رنگ غالب ہوتا ہے۔" (۲)

بچے کا نام رکھنا

بچے کا نام پہلے دن بھی رکھا جا سکتا ہے اور ساتویں دن بھی' احادیث میں دونوں طرح کا ذکر ملتا ہے اس لیے ساتویں روز تک سوچ کر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے جیسا کہ چند احادیث حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ اسے حفاظت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ چنانچہ وہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے بچے کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیجیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو پکڑا اور پوچھا کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں! کھجوریں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر چبایا اور پھر اسے اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیا اور ((وحنکه به وسماہ عبداللہ)) "اس سے بچے کی تحنیک کی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔" (۳)

(2) ((عن أبی موسی رضی اللہ عنہ قال : ولد لی غلام فاتیت به النبی ﷺ' فسماہ إبراهیم' فحنکه بتمرۃ' ودعا له بالبرکة' ودفعه إلی وکان أکبر ولد أبی موسی))

---

(۱) [صحیح موارد الظمان (۸۸۳) کتاب الأضاحی : باب ما جآء فی العقیقة' سلسلة الأحادیث الصحیحة (۴۶۳' ۲۴۵۲) ارواء الغلیل (۳۸۹/۴)]

(۲) [النهایة (۶۸/۲)]

(۳) [بخاری (۵۴۷۰) کتاب العقیقة : باب تسمیة المولود غداۃ یولد لمن لم یعق عنه' و تحنیکه' مسلم (۲۱۴۴) کتاب الأداب : باب استحباب تحنیك المولود]

''حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی پھر مجھے دے دیا۔ یہ ابو موسی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔(۱)

(3) ((عن سمرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ: **كل غلام رهينة بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه ويحلق رأسه**))

''حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے عوض گروی ہوتا ہے' پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے' اس کا نام رکھا جائے اور سر کے بال منڈائے جائیں۔''(۲)

امام شوکانیؒ مذکورہ حدیث میں موجود ''**يسمى**'' کے لفظ کے متعلق رقمطراز ہیں کہ

((دليل على استحباب التسمية فى اليوم السابع))

''یہ دلیل ہے کہ ساتویں روز نام رکھنا مستحب ہے۔''(۳)

اللہ کے پسندیدہ نام

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ: **إن أحب أسمائكم إلى الله عبدالله وعبدالرحمن**))

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک

(۱) [بخاری (٥٤٦٧) كتاب العقيقة : باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه' و تحنيكه' مسلم (٢١٤٥)]

(۲) [ابو داود (٢٨٣٨) كتاب الضحايا : باب فى العقيقة' ترمذی (١٥٢٢) ابن ماجة (٣١٦٥) نسائی (١٦٦/٧) ابن الجادود (٩١٠) حاكم (٢٣٧/٤) احمد (١٧/٥) دارمی (٨١/٢) مشكل الآثار (٤٥٣/١) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابو داود (٢٤٦٣)]

(۳) [نيل الأوطار (٥٠٠/٣)]

تمہارے ناموں میں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔'' (۱)

بُرے نام

بعض ناموں سے آپ ﷺ نے خاص طور پر منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے

((عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ : **لا تسم غلامك رباحا ولا يسارا ولا أفلح ولا نافعا**))

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' اپنے بچے کا نام رباح، یسار، افلح اور نافع نہ رکھو۔'' (۲)

اسی طرح بادشاہوں کا بادشاہ یا بالفاظ دیگر شہنشاہ نام رکھنا بھی جائز نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ

((عن أبي هريره رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال : **إن أخنع اسم عندالله رجل يسمى ملك الأملاك** ۔ زاد ابن أبي شيبة في رواية **''لا مالك إلا الله''** قال سفيان : **مثل شاهان شاه**))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا'' بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام یہ ہے کہ کسی آدمی کا نام بادشاہوں کا بادشاہ رکھ دیا جائے۔'' ابن ابی شیبہ نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ'' اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بادشاہ نہیں۔'' سفیانؒ فرماتے ہیں کہ جیسے شہنشاہ (نام) ہے۔'' (۳)

نیز ایسے نام بھی نہیں رکھنے چاہییں جن میں شرک کا شائبہ ہو مثلاً غلام نبی، غلام علی، نبی بخش، حسین بخش یا پیراں دتا وغیرہ۔ ایسا نام اگر کسی نے رکھا ہوا ہو تو اسے تبدیل کر دینا چاہیے۔

---

(۱) [مسلم (۵۵۸۷) كتاب الأداب : باب النهي عن التكني بأبي القاسم وبيان ما يستحب من الأسماء]

(۲) [مسلم (۵٦۰۰) كتاب الأداب : باب كراهة التسمية بالأسماء القبيحة ونافع و نحوه]

(۳) [مسلم (۵٦۱۰) كتاب الأداب : باب استحباب تفسير الاسم القبيح إلى حسن وتغيير اسم برة إلى زينب و جويرية ونحوهما]

بُرا نام تبدیل کر دینا چاہیے

جیسا کہ متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب بھی نبی ﷺ کسی کو برا نام رکھے ہوئے دیکھتے تو اسے تبدیل کر دیتے۔

(1) ((عن أبی هريرة رضی الله عنه أن زينب رضی الله عنها كان اسمها برة فقيل تزكی نفسها فسما ها رسول الله ﷺ زينب))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کا نام "برہ" تھا کہا جانے لگا کہ وہ اپنی پاکی ظاہر کرتی ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھا۔" (۱)

(2) ((عن عبد الحميد بن جبير بن شيبة قال : جلست إلى سعيد بن المسيب، فحدثنی أن جده حزنا قدم علی النبی ﷺ فقال : **((ما اسمک؟))** **قال : اسمی حزن قال : ((بل أنت سهل))** قال : ما أنا بمغير اسما سمانيه أبی قال ابن المسيب : فما زالت فينا الحزونة بعد))

"عبدالحمید بن جبیر بن شیبہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن مسیّبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے دادا "حزن" نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میرا نام حزن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو سہل ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے باپ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلوں گا۔ سعید بن مسیّبؒ نے کہا اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان میں سختی اور مصیبت ہی رہی۔" (۲)

(3) ((عن ابن عمر رضی الله عنهما أن رسول الله ﷺ غير اسم عاصية وقال أنت جميلة))

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاصیہ (نافرمان؛ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام تھا) کا نام تبدیل کر دیا اور کہا "تو جمیلہ (خوبصورت) ہے۔" (۳)

(۱) [بخاری (۶۱۹۲) كتاب الأدب : باب تحويل الاسم إلی اسم احسن منه]

(۲) [بخاری (۶۱۹۳) كتاب الأدب : باب تحويل الاسم إلی اسم احسن منه]

(۳) [مسلم (۵۶۰۴) كتاب الأداب : باب استحباب تغيير الاسم القبيح إلی احسن و تغيير اسم بره إلی زينب وجويرية ونحوهما]

(4) ((عن ابن شريح رضی اللہ عنہ أنه كان يكنى أبا الحكم فقال له النبی ﷺ : **إن الله هو الحكم وإليه الحكم** فقال إن قومی إذا اختلفوا فی شیئ اتونی فحكمت بينهم فرضی كلا الفريقين ـ فقال : **ما أحسن هذا . فما لک من الولد؟ قال : شريح ومسلم وعبدالله ، قال فمن أكبرهم؟ قلت شريح . قال فأنت أبو شريح**))

''حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی کنیت (زمانہ جاہلیت میں) ابوالحکم تھی' چنانچہ (اس کنیت کو نامناسب خیال فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا: ''حکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حکم اسی کو زیب دیتا ہے۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی یا رسول اللہ ﷺ! میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تھا' تو وہ میرے پاس آ کر فیصلہ کراتے تھے اور میں جو فیصلہ کر دیتا' اس پر دونوں فریق راضی ہو جایا کرتے تھے (اسی لیے میری کنیت ابوالحکم ہو گئی) یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا'' کیسی اچھی بات ہے؟ پھر فرمایا' تمہاری اولاد کیا ہے؟ میں نے عرض کیا' شریح' مسلم اور عبداللہ' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا' بڑا کون ہے؟ میں نے عرض کیا'' شریح'' آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔'' (۱)

انبیاء کے نام پر نام رکھنا

انبیاء کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھنا جائز و مباح ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اپنے ایک بیٹے کا نام ابراہیم علیہ السلام کے نام پر ابراہیم رکھا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((قال أنس رضی اللہ عنہ : قبل النبی ﷺ إبراهيم يعنی ابنه))

''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے ابراہیم یعنی اپنے بیٹے کا بوسہ لیا۔'' (۲)

---

(۱) [ابو داود (٤٩٥٥) كتاب الأدب : باب فی تغيير الاسم القبيح ' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابو داود (٤١٤٥)]

(۲) [بخاری (قبل الحديث / ٦١٩٤) كتاب الأدب : باب من سمی بأسماء الأنبياء]

بچوں کے لیے چند عمدہ نام

آئندہ سطور میں بچوں کے لیے چند عمدہ ناموں کی فہرست درج کی جارہی ہے جو کہ شیخ فاروق اصغر صارم حفظہ اللہ کی کتاب 'پیارے نام' سے ماخوذ ہے۔

انبیائے کرام کے اسمائے مبارکہ

نام	معنی	نام	معنی
آدم	گندم گوں	نوح	آرام، بلند
شیث	کثرت	ادریس	پڑھا ہوا
ھود	توبہ کرنے والا	صالح	نیک
ابراھیم	خادم قوموں کا باپ	لوط	دلی محبت
اسحاق	ہنسنے والا	یعقوب	پیچھے آنے والا
یوسف	حسین۔ پاکباز	خضر	سرسبز
شعیب	حصہ۔ جمع وتفریق	موسیٰ	پانی سے نکالا ہوا
ھارون	سالار۔ قوی	یوشع	چڑھائی وبلندی
الیاس	قائم ودائم	یسع	فراخ
داؤد	عزیز دوست	سلیمان	زینہ۔ سلامتی
ایوب	رجوع کرنے والا	یونس	مانوس
ذوالکفل	ضامن	عزیر	تعاون کرنا

لقمان	دانا	زکریا	بھرنا۔ پر کرنا
یحیٰ	زندہ رہنے والا	عیسیٰ	زندگی والا
محمدؐ	تعریف کیا ہوا		

حضرت محمد ﷺ کے صفاتی نام

نام	معنی	نام	معنی
احمد	زیادہ تعریف والا	امین	امانت دار
بشیر	بشارت دینے والا	جواد	سخی
حامد	تعریف کرنیوالا	حبیب	محبوب
خلیل	دلی دوست	خطیب	بات کرنے والا
رشید	شریف، ہدایت یافتہ	سراج	چراغ
شفیع	شفاعت کرنے والا	شاھد	گواہ
صادق	سچا	صدیق	سچ بولنے والا
طاھر	پاک	عادل	انصاف کرنے والا
کلیم	کلام کرنے والا	عاقب	آخری
مبشر	خوشخبری دینے والا	قاسم	تقسیم کرنے والا
محمود	تعریف کیا گیا	مجتبیٰ	چنا ہوا
مرتضیٰ	پسندیدہ	مدثر	کپڑا اوڑھنے والا
مصطفیٰ	چنا ہوا	مزمل	کپڑا اوڑھنے والا

مصدق	تصدیق کرنے والا	مصباح	چراغ
منصور	مدد دیا گیا	منیر	روشن
نذیر	ڈرانے ولا	ناصر	مدد کرنے والا

ازواج مطہرات کے اسمائے مطہرہ

خدیجہ	ناتمام	عائشہ	زندگی والی
حفصہ	شیرنی	زینب	ایک خوشبودار، خوبصورت درخت
جویریہ	عہد و پیان (لڑکی)	رملہ (ام حبیبہ)	ریت کا ٹیلہ
سودہ	مشک، نشان	صفیہ	منتخب
میمونہ	بابرکت	ھند (ام سلمہ)	جماعت، سونگنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اولاد و احفاد کے نام

ابراھیم	خادم، قوموں کا باپ	عبداللہ	اللہ کا بندہ
قاسم	تقسیم کرنے والا	حسن	اچھا، خوبصورت
حسین	خوبصورت	زینب	خوشبودار حسین درخت
رقیہ	ترقی	ام کلثوم	پرکشش
فاطمہ	دودھ چھڑانے والی	امامہ	مقصد، مراد

مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام

ابان	واضح، ظاہر	ابوذر	پھیلانا۔ بکھیرنا

ابوھریرہ	بلی کے بچے والا	احمد	لازم،ٹھہرنا
اربد	اقامت،ابرآلود	ارقم	تحریر۔نشان والا
احوص	محتاط	اسامہ	شیر،بلند
اشعث	بکھراہوا	اسعد	سعادت مند
اسمر	کہانی گو	اسید	چھوٹا شیر
اسیم	بلند	اقمر	زیادہ روشن
اقرع	کٹکھٹانے والا۔بہادر	انیف	اچھوتا
انیس	پیارا	اویس	بھیڑیا ۔
براء	بری	تمیم	کامل
ثعلبہ	لومڑی	ثمامہ	اصلاح
جابر	غالب،پرکرنے والا	جبیر	پرکرنے والا ،غالب
جریر	کھینچنے والا	جلیب	ہانکنے والا
جنید	چھوٹا لشکر	حارثہ	محنتی۔کمانے والی
جندب	پروانہ	حارث	محنتی،کمانے والا
حذیفہ	آسانی وآرام	حذافہ	سہولت
حسان	خوبصورت	حازم	محتاط
حسیل	تیزرفتار	حصیب	کنکریاں مارنے والا
حفیر	شہری	حاطب	ایندھن جمع کرنے والا
حکیم	حکمت والا	حماد	تعریف کرنے والا

حماس	محافظ۔بہادر	حمزہ	شیر
حمید	تعریف والا	خالد (بن ولید)	ہمیشہ
خباب	بلند۔تیز رفتار	خبیب	بلند،اونچا
خذیمہ	ترتیب دینا	خلاد	سدا
خلید	ہمیشہ	خنیس	چھپنے والا
ابودجانہ	بارش	دحیہ	سربراہ فوج
درید	اختتام/ایک جانور	رافع	اٹھانے والا
ربیعی	باغ والا۔بہار والا	رزین	اصلی اقامت،رہائش
رسیم	نقش وتحریر کرنے والا	رشید	ہدایت یافتہ ۔بھلامانس
رقیم	تحریر۔کتاب	رومان	وسط
راھر	چمکیلا	رویفع	بلند۔اونچا
زبیر	شیر،محرر	زرعہ	کھیتی۔بونا
زؤیب	چلنا۔نکلنا	سحبان	کھینچنے والا
سحیم	برسنے والا	سدیس	چھٹا،لڑکپن
سراقہ	چھپی چیز	سلکان	مرتب
سلمان	سلامت	سلیم	محفوظ
سلیط	اچھی نسل	سلیک	راہ گیر
سماک	مچھلی فروش	سنان	نیزے کا بھالا

سہیل	آسانی وسہولت والا	سیرین	قائد وراہنما
شبرمہ	عطیہ/شیر کا بچہ	شریح	وضاحت کرنے والا
شرید	الگ تھلگ	سمساس	چمکیلا۔خادم
صبیح	روشن	صفوان	چٹان
صہیب	سرخ پٹی مائل	ضحاک	ہنسنے والا
ضرار	صابر،دشمن کے لیے مضر	ضماد	معالج
ضمام	ملنا	ضمیر	پوشیدہ
طفیل	پیار،بچہ/ذریعہ	ظہیر	غالب،مددگار
عازب	الگ	عاصم	بچانے والا
عاقب	آخری	عاقل	عقل والا
عائذ	پناہ لینے والا	عامر	آباد کرنے والا
عباد	عبادت گزار	عبدالرحمٰن	رحمٰن کا بندہ
عبیداللہ	اللہ کا عاجز بندہ	عتبان	ڈانٹنا
عداس	نگران	عدی	بڑھنا
عرباض	مضبوط	عروہ	کڑا
عصیم	محفوظ	عکرمہ	کبوتر
عمرو	آبادی	عمیر	آباد کرنے والا
عمیس	طاقت ور	عویم	سال
عیاض	خلیفہ	غالب	طاقتور،غالب

فراس	فراست والا	فرزدق	پنیر۔روٹی
فضیل	فضل والا	فھد	چیتا
قتادہ	پلان/ایک درخت	قدامہ	پیشوا
قعقاع	اسلحہ کی جھنکار	قیس	اندازہ
کرز	ذہین/شریف	کریب	مشکل
کعب	اونچائی	لبید	کثیر
لیث	شیر	مثنی	ملا ہوا
محصن	پاکباز	محمود	تعریف کیا گیا
مرثد	معزز/ترتیب شدہ	مرداس	پتھر
مسطح	فصیح، سطح	مسعود	سعادت مند
مصعب	دشوار	معاذ	پناہ یافتہ
معاویہ	چلانے والا	معتب	ڈانٹنے والا
مغیرہ	لوٹنے والی۔حملہ آور	مقداد	توڑنے کا آلہ
ملیل	اکتایا ہوا	منکدر	تیز رفتار
مھران	خوبصورت	نابغہ	فصیح وبلیغ
نعمان	سرخ پھول	نعیم	نعمت والا
نواس	پرسکون مقام	واقد	روشن کرنے والا
وسیم	چاندی	وقاص	توڑنے والا

ولید	بچہ	ہیثم	شیر
یامین	برکت وقوت	یزید	اضافہ

مشہور صحابیات رضی اللہ عنہن کے نام

اسماء	بلند، علامت	اثیلہ	اعلیٰ خاندان والی
اکیمہ	اونچی	آمنہ	امن والی
امیمہ	قصد وارادہ	انخشہ	بلاش/حاصل کرنا
انیسہ	پیاری	بدیلہ	عوض/بدلہ
بریدہ	ٹھنڈی	بریعہ	چمکیلی
بسیسہ	مٹھائی	تماضر	موٹی تازی
ثوبیہ	جزا	جعونہ	مجموعہ
جلیحہ	صاف/خالی	حبیبہ	پیاری
حسانہ	خوبصورت	حلیمہ	بردبار
حمنہ	سرخ انگور	حمیدہ	تعریف والی
حمیمہ	گہری دوست	حولاء	تبدیلی
خالدہ	ہمیشہ	خلیدہ	سدا
خلیسہ	بہادر	خنساء	چھپنا۔ہٹنا
خولہ	خادمہ	خیثمہ	توڑنا۔سخت
خیرہ	پسندیدہ	دجانہ	بارش

رائعہ	عمدہ	رباب	ساز
ربیعہ	بہار	رجیلہ	مضبوط
رکانہ	مضبوط	رحیلہ	مسافرہ
رفیدہ	عطیہ	رقیقہ	برم دل
ریطہ	کمبل/ربن	زرینہ	سونے کی چیز
زنیرہ	مالا	سانیہ	چمکیلی
ساعدہ	معاون	ساریہ	جاری
سبیعہ	ساتویں	سدرہ	بیری کا درخت
سدلیہ	جھکی ہوئی	سعدیٰ	خوشبودار پودا
سعیدہ	نیک بخت	سکینہ	سکون والی
سلامہ	سلامت	سمرہ	گندم گوں
سمیکہ	چھوٹی مچھلی	سمیہ	بلند/ہم نام
سنا	چمک	سھلہ	سہولت و آسانی
سہیمہ	حصہ دار	شفا	کنارہ۔صحت
شقیقہ	شریک۔سگی بہن	شمیلہ	اچھی عادات والی
شیماء	خوشبو/خصلت	صخرہ	چٹان
صماء	بندر/مضبوط	ضابعہ	تیز رفتار
ضمرہ	ماہر۔پوشیدہ	طاھرہ	پاک صاف

عالیہ	اونچی	عجلہ	جلدی ربچھڑا
(ام)عطیہ	تحفہ	عفراء	سفید زمین
عفیرہ	صاف رخالی	عقیلہ	عقل والی
عمیرہ	آباد	عمارہ	آبادی
عنقودہ	گچھا انگورہ	عیینہ	چشمہ رسونے کا ٹکڑا
غزیلہ	ہرن رکثرت	فروہ	جلد
فریعہ	شاخ	فضالہ	بقیہ رفضیلت والی
فضہ	چاندی	فکیھہ	خوش طبع
کبشہ	سردار	کعیبہ	اونچی
قبیصہ	ڈھیر رکنکریاں	لبابہ	دانا
لبیبہ	عقل مند	لبنیٰ	دودھ
لبنیہ	دودھ کی طرح	لمیس	برم ونازک
لیلٰی	تاریک رات	مرجانہ	قیمتی پتھر
مرضیہ	پسندیدہ	مطیعہ	اطاعت گزار
منیحہ	تحفہ	نائلہ	مقصد حاصل کرنے والی
نبیشہ	نشیب و گہری	نسیبہ	نسب والی
نفیسہ	صاف ستھری	نویلہ	عطیہ
نھدیہ	نمایاں	واثلہ	مضبوط رسی
وبرہ	بلی نما جانور راون	ورقہ	پتا

بچوں کی کنیت رکھنا

کم سن و نابالغ بچوں کی کنیت رکھنا جائز ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ

((عن أنس قال : كان النبي ﷺ أحسن الناس خلقا ' و كان لي أخ يقال له: أبو عمير قال احسبه فطيم ' و كان إذا جاء قال : ((**يا أبا عمير! ما فعل النغير؟**)) نغير كان يلعب به فربما حضر الصلاة وهو في بيتنا فيامر بالبساط الذي تحته فيكنس وينضح ' ثم يقوم و نقوم خلفه فيصلي بنا))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے' میرا ایک بھائی ابو عمیر نامی تھا۔ بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ بچہ کا دودھ چھوٹ چکا تھا۔ آپ ﷺ جب تشریف لاتے تو اس سے مزاحا فرماتے (**یا ابا عمیر ما فعل النغیر**) ''اے ابو عمیر تیرے نغیر (ایک پرندے کا نام) کا کیا بنا؟'' اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کا وقت ہو جاتا اور آپ ﷺ ہمارے گھر میں ہوتے۔ آپ ﷺ اس بستر کو بچھانے کا حکم دیتے جس پر آپ ﷺ بیٹھے ہوئے ہوتے' چنانچہ اسے جھاڑ کر اس پر پانی چھڑک دیا جاتا۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوتے اور ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہوتے اور آپ ہمیں نماز پڑھاتے۔'' (۱)

لڑکی کی کنیت رکھنا

اسلام میں لڑکی کی کنیت کا بھی تصور موجود ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

((عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت يارسول الله ! كل صواحبي لهن كنى! قال : "**فاكتني بابنك عبد الله**" **يعني ابن اختها** ۔ قال : فكانت تكنى بأم عبد الله))

(۱) [بخاری (۶۲۰۳) کتاب الأدب : باب الكنية للصبي وقبل أن يولد للرجل]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری تمام سہیلیوں کی کنیتیں ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بھی اپنے بیٹے یعنی اپنی بہن (اسماء بنت ابی بکر) کے بیٹے کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کنیت اُم عبداللہ رکھ لی۔“ (۱)

نومولود کو گڑھتی (تحنيك) دینا

لغوی اعتبار سے تحنیک کا معنی ”کسی چیز کو چبا کر نرم بنانا ہے۔“ (۲)

اور اصطلاحی اعتبار سے تحنیک کی تعریف کرتے ہوئے امام شوکانیؒ رقمطراز ہیں کہ

((والتحنيك : أن يمضغ المحنك التمر أو نحوه حتى يصير مائعا بحيث يبتلع ثم يفتح فم المولود ويضعها فيه ليدخل شيئ منها في جوفه))

”اور تحنیک یہ ہے کہ تحنیک کرنے والا شخص کھجور یا اسی طرح کی کوئی چیز چبائے حتی کہ وہ مائع بن جائے جسے نگھلا جا سکے۔ پھر وہ بچے کا منہ کھول کر اسے اس میں رکھ دے تا کہ اس سے کوئی چیز بچے کے پیٹ میں داخل ہو جائے۔“ (۳)

یہ عمل مسنون و مستحب ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث اس کا ثبوت ہیں:

(1) ((عن أبي موسى رضي الله عنه قال : ولد لي غلام فاتيت به النبي صلى الله عليه وسلم ' فسماه إبراهيم ' فحنكه بتمرة ' ودعا له بالبركة ' ودفعه إلي وكان أكبر ولد أبي موسى))

”حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور کھجور کو اپنے دندان مبارک سے نرم کر کے اسے چٹایا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی پھر

(۱) [ابو داود (۴۹۷۰) كتاب الأدب : باب في المرأة تكنى ' شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۱۳۲)]

(۲) [مصباح اللغات (ص/۱۸۰)]

(۳) [نيل الأوطار (۵۰۶/۳)]

مجھے دے دیا۔ یہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے لڑکے تھے۔(۱)

(2) ((عن أسماء بنت ابی بکر رضی الله عنها أنها حملت بعبد الله بن الزبير بمكة ' قالت : فخرجت وأنا متم ' فاتيت المدينة ' فنزلت قباء فولدت بقباء' ثم أتيت به رسول الله ﷺ فوضعته فی حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل فی فيه' فكان أول شيئ دخل جوفه ريق رسول الله ﷺ ثم حنكه بالتمرة ' ثم دعا له فبرك عليه))

''حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ میں ان کے پیٹ میں تھے۔ انہوں نے کہا پھر میں (جب ہجرت کے لیے) نکلی تو وقت ولادت قریب تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے پہلی منزل قبا میں کی اور یہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہو گئے۔ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور اسے آپ کی گود میں رکھ دیا۔ آنحضرت ﷺ نے کھجور طلب فرمائی اور اسے چبایا اور بچہ کے منہ میں اپنا لعاب ڈال دیا۔ چنانچہ پہلی چیز جو اس بچہ کے پیٹ میں گئی وہ حضور اکرم ﷺ کا لعاب مبارک تھا پھر آپ ﷺ نے کھجور سے تحنیک کی اور اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔''(۲)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ

((اتفق العلماء علی استحباب تحنيك المولود عند ولادته بتمر فإن تعذر فما فی معناه أو قريب منه من الحلو))

''علماء نے اتفاق کیا ہے کہ بچے کو اس کی ولادت کے وقت کھجور کے ساتھ تحنیک

(۱) [بخاری (٥٤٦٧) كتاب العقيقة : باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه' و تحنيكه]

(۲) [بخاری (٥٤٦٩) كتاب العقيقه : باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه' وتحنيكه]

کرنا مستحب ہے لیکن اگر کھجور نہ ملے تو جو بھی اس معنی میں یا مٹھاس میں اس کے قریب ہو (اسی سے گڑھتی دے دی جائے)۔''(۱)

نومولود کو تحفہ دینا

شیخ ابن عثیمین کا فتوی:

((الهدية للمولود عند ولادته لا باس بها في الأصل لأن الأصل في الهدية وفي جميع المعاملات الحل و الصحة إلا ما قام الدليل على تحريمه فاذا جرى العادة بأن الناس إذا ولد لهم الولد أهدى إليه أقاربه شيئا من المال فلا باس أن يفعل ذلك الإنسان تبعا للعادة و العرف لا تعبدا لله عزو جل))

''دراصل نومولود بچے کو اس کی پیدائش کے وقت ہدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ہدیہ میں اور تمام معاملات میں اصل جواز وصحت ہے الا کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے اور جب یہ عادت جاری ہو جائے کہ لوگوں کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کے قریبی رشتہ دار مال سے کوئی چیز اس کی طرف ہدیہ بھیجیں تو اس میں کوئی حرج نہیں انسان عادت اور عرف کی پیروی کرتے ہوئے ایسا کرے نہ کہ اللہ کی عبادت سمجھتے ہوئے۔''(۲)

ختنہ کرانا

ختنہ کرانا انسانی فطرت کا حصہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ سمعت النبي ﷺ يقول " **الفطرة خمس : الختان ' والاستحداد ' وقص الشارب ' وتقليم الأظفار ' ونتف الآباط**))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''فطرت میں پانچ چیزیں شامل ہیں: ختنہ کرانا' زیر ناف مونڈنا' مونچھیں کاٹنا'

(۱) [المجموع (۸/۴۲۲)]

(۲) [فتاوی إسلامية (۲/۳۲۸)]

ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔'' (۱)

ختنہ کرانا انبیاء کی بھی سنت ہے بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ختنہ کا ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

((عن أبی هريره رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : **اختتن ابراهيم عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة**))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ختنہ ہوا اور اس وقت ان کی عمر اسّی (80) سال تھی۔'' (۲)

یہی وجہ ہے کہ عرب میں ختنہ کا عام رواج تھا جیسا کہ حدیث ہرقل میں ہے کہ

((اتی هرقل برجل أرسل به ملك غسان يخبر عن خبر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلما استخبره هرقل قال اذهبوا فانظروا أمختتن هو أم لا ؟ فنظروا إليه فحدثوه أنه مختتن و سأله عن العرب فقال هم يختتنون))

''ہرقل کے پاس ایک آدمی لایا گیا جسے شاہ غسان نے بھیجا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے جب ہرقل نے (سارے حالات) سن لیے تو کہا کہ جا کر دیکھو وہ ختنہ کیے ہوئے ہے یا نہیں؟ انہوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہے۔ ہرقل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں۔'' (۳)

یہ عرب کا رواج تھا پھر بعدازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو برقرار رکھا اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ختنے کرایا کرتے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ

---

(۱) [بخاری (۵۸۹) کتاب اللباس : باب تقلیم الأظفار]

(۲) [بخاری (۳۳۵۶) کتاب أحادیث الأنبیاء : باب قول الله تعالیٰ **''واتخذ الله إبراهيم خليلا''** ۔ مسلم (۲۳۷۰) أحمد (۳۲۲/۲) حاکم (۱۵۵/۲)]

(۳) [بخاری (۷) کتاب بدء الوحی : باب کیف کان بدء الوحی إلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم]

((عن سعید ابن جبیر قال سئل ابن عباس رضی اللہ عنہ : مثل من أنت حین قبض النبی ﷺ؟ قال : أنا یومئذ مختون قال : و کانوا لا یختنونٌ الرجل متی یدرك))

''سعید بن جبیرؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا: جب نبی ﷺ فوت ہوئے تو آپ کس کی مثل تھے؟ انہوں نے کہا میں اس وقت ختنہ کرا چکا تھا' مزید فرماتے ہیں کہ اور وہ لوگ بالغ ہونے سے پہلے مرد کا ختنہ نہیں کرتے تھے۔'' (۱)

علاوہ ازیں ایک حدیث میں ختنہ کے متعلق آپ ﷺ کا حکم بھی موجود ہے جیسا کہ سنن أبی داود میں ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور مسلمان ہو گیا...... آپ ﷺ نے اسے حکم دیا

((ألق عنک شعر الکفر واختتن))

''اپنے آپ سے کفر کے بال (یعنی کافروں جیسی ہیئت کے بال) منڈا دو اور ختنہ کرا لو۔'' (۲)

یہی وجہ ہے کہ امام شوکانیؒ نے ختنہ کے وجوب کو ہی ترجیح دی ہے۔

امام شوکانیؒ کا فتوی:

((ثبوت مشروعیة الختان فی هذه الملة الإسلامیة أوضح من شمس النهار...... فالقول بوجوبه هو الحق))

''اس ملت اسلامیہ میں ختنہ کرانے کی مشروعیت کا ثبوت دن کے آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے......اور اس کے وجوب کا قول ہی برحق ہے۔'' (۳)

لہٰذا والدین کو چاہیے کہ خود ساختہ رسم و رواج سے اجتناب کریں اور اپنے بچوں کے

---

(۱) [بخاری (۶۲۹۹) کتاب الاستئذان : باب الختان بعد الکبر ونتف الإبط]

(۲) [ابو داود (۳۵۶) کتاب الطهارة : باب الرجل یسلم فیومر بالغسل ' شیخ البانیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۳۴۳)]

(۳) [السیل الجرار (۲۵۲/۳)]

بروقت ختنے کرائیں۔

ختنہ کرانے کا وقت

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ختنہ بھی عقیقہ کے ساتھ پیدائش کے ساتویں روز ہی کرا دینا چاہیے اور وہ روایت یہ ہے:

((عن جابر رضی اللہ عنہ عق رسول الله ﷺ عن الحسن و الحسين و ختنهما لسبعة أيام))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ اور ان دونوں کا ختنہ ساتویں روز کیا۔'' (۱)

کیا لڑکیوں کا بھی ختنہ کرایا جائے گا؟

عرب میں لڑکیوں کے ختنہ کا بھی رواج تھا پھر یہ رواج عہد رسالت میں بھی رہا اور آپ ﷺ کے علم میں بھی تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ ایک روایت سے تو آپ ﷺ سے بھی اس کی اجازت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ سنن ابی داود میں ہے کہ

((عن أم عطية الانصارية رضي الله عنها أن امرأة كانت تختن بالمدينة فقال لها النبي ﷺ **''لا تنهكي' فإن ذلك أحظى للمرأة و أحب إلى البعل''))**

''حضرت اُم عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک عورت ختنہ کیا کرتی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے کہا (لڑکیوں کا ختنہ کرتے وقت) مبالغہ نہ کرو کیونکہ یہ عورت کے لیے زیادہ لذت کا باعث ہے اور شوہر کی طرف زیادہ پسندیدگی کا ذریعہ ہے۔'' (۲)

---

(۱) [بیهقی فی السنن الكبرى (۳۲٤/۷) مجمع البحرين (۱۹۰۲) طبرانی صغیر (۸۹۲) یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔]

(۲) [ابو داود (۵۲۷۱) كتاب الأدب : باب ما جآء في الختان ' شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔[صحیح ابو داود (٤٣٩١) سلسلة الأحاديث الصحيحة (۸۲۱)]

حافظ عبدالمنان نور پوری کا فتویٰ:

کسی نے سوال کیا کہ عرب اور افریقہ میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا ہے کیا اسلام میں اس کا کوئی تصور ہے؟

تو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ صاحب عون المعبود (۵۴۳/۴) نے عورت کے ختنہ پر احادیث کو جمع کیا ہے آخر میں لکھا ہے:

((وحديث ختان المرأة روى من أوجه كثيرة ' وكلها ضعيفة معلولة مخدوشة لا يصح الاحتجاج بها كما عرفت ' وقال ابن المنذر: ليس فى الختان خبر يرجع إليه ولا سنة يتبع ـ وقال ابن عبدالبر فى التمهيد : والذى أجمع عليه المسلمون أن الختان للرجال))

''اور عورت کے ختنہ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے جو سب ضعیف معلول اور مخدوش ہیں' ان سے حجت پکڑنا صحیح نہیں' جس طرح آپ پہچان گئے اور ابن منذر نے کہا ختان میں کوئی حدیث نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے اور نہ کوئی سنت ہے جس کی پیروی کی جائے اور ابن عبدالبر نے تمہید میں کہا وہ چیز جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے یہ ہے کہ ختنہ مردوں کے لیے ہے۔'' (واللہ اعلم)

روایت ((الختان سنة للرجال ' ومكرمة للنساء)) ''ختنہ سنت ہے واسطے مردوں کے اور کریمانہ فعل ہے واسطے عورتوں کے'' کی بعض اسانید کو امام سیوطیؒ نے حسن قرار دیا ہے مگر اکثر اہل علم اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں حتی کہ محدث وقت شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ضعیف جامع صغیر اور سلسلہ ضعیفہ ہی میں ذکر فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے ختان کو خصال فطرت میں ذکر فرمایا ہے وہاں مرد کی تخصیص نہیں فرمائی صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزۃ (۵۸۳/۲) میں ہے غزوہ احد میں جب قتال کے لیے لوگ صف بستہ ہو گئے تو سباع نامی کافر نے نکل کر للکارا:

((هل من مبارز قال : فخرج إليه حمزة بن عبدالمطلب' فقال : يا سباع يا ابن أم أنمار مقطعة البظور أتحاد الله ورسوله ـ قال : ثم شد عليه فكان كأمس الذاهب))

''کیا کوئی ہے جو مجھ سے لڑے یہ سنتے ہی حمزہ بن عبدالمطلب اس کے مقابلہ کے لیے نکلے اور کہنے لگے ارے سباع ارے ام نمار (حجامتی) کے بیٹے تیری ماں تو عورتوں کے ٹنے تراشا کرتی تھی کمبخت نائن تھی اور تو اللہ و رسول سے مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا اور جیسے کل کا دن گزر جاتا ہے اس طرح صفحہ ہستی سے اس کو نابود کر دیا۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے نزول شریعت کے زمانہ میں عربوں میں عورت کا ختنہ کیا جاتا تھا مگر کتاب وسنت میں کہیں اس کی تردید وارد نہیں ہوئی تو پتہ چلا کہ اسلام میں بھی عورت کے ختنہ کا تصور ہے۔(۱)

واضح رہے کہ لڑکی کا ختنہ اس طرح کیا جاتا تھا کہ اس کی شرمگاہ کے اوپر سے چمڑے کا کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا تھا۔(۲)

❋❋❋

(۱) [احکام و مسائل (۱/۴۹۹)]
(۲) [عون المعبود (۱۴/۱۲۳)]

ذبح کا اسلامی طریقہ

شرعی، سائنسی اور طبی حقائق کی روشنی میں

از ڈاکٹر شفیق الرحمن کیلانی حفظہ اللہ

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

آج عید الاضحیٰ ہے۔ 10 ذی الحجہ کا دن اور صبح کوئی 8 بجے کا عمل ہے۔ جگہ جگہ جانور ذبح ہو رہے ہیں۔ سامنے بہت سے لوگ ایک بہت بڑے دائرے کی صورت میں جمع ہیں۔ آئیں، ہم بھی چلتے ہیں۔ ایک گائے کو ایک دو آدمیوں نے رسوں کے ذریعے جکڑ کر، لٹا کر قابو کر رکھا ہے۔ قصاب نے اپنا بایاں پاؤں گائے کی گردن پر رکھا ہے، اب وہ گائے کے سر پر کھڑا، ہوا میں چھری کو ایک دوسری چھری سے باہم رگڑ کر تیز کر رہا ہے اور بعد میں اسے ہوا میں لہرا رہا ہے۔ لیجئے! اس نے آناً فاناً شہ رگ کاٹی، ساتھ ہی اس کی گردن کو پیچھے کی طرف موڑ رمروڑ کر، جھٹکا دے کر اس کا منکا توڑا۔ اسی چھری کی نوک سے اس کی بقایا سامنے موجود نسیں (Ligaments) کاٹیں اور ساتھ ہی سامنے نظر آنے والے حرام مغز کی بتی (Spinal Cord) کو بھی مکمل طور پر کاٹ دیا۔ دماغ اور جسم کا جو رابطہ رناطہ حرام مغز کی بتی کے ذریعہ بحال تھا، جس کے ذریعے سے جسم کے دور دراز حصوں (کھر، دم، سر وغیرہ) سے خون کی نجاستُ نے جسم سے نکل کر اسے اپنی آلودگیوں سے پاک کرنا تھا۔ وہ خون ابھی شہ رگ کے قریب قریب سے معمولی سا (کم وبیش نصف مقدار میں) خارج ہوا ہی تھا کہ بتی کاٹنے کے اس عمل کے ساتھ ہی گائے کے پورے بدن کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہیں گائے ساکت ہوگئی۔ خون بھی زیادہ تر اندر ہی رہ گیا اور قصاب نے پچھلی کونچوں سے کھال کاٹ کر اُدھیڑنا شروع کر دی۔

(1) اُسوۂ حسنہ

آیئے! دیکھیں اس سلسلے میں ہمیں پیارے نبی ﷺ سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟

1- دعائیں، نیت اور تکبیر پڑھنا

((عن جابر بن عبد الله قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین أقرنین أملحین موجئین فلما وجههما قال: "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ" ثم ذبح)) (۱)

''سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن یعنی عید الاضحیٰ کو دو سینگوں والے مینڈھے ذبح کئے جن میں سفیدی غالب تھی اور وہ خصی تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں قبلہ رخ کیا تو یہ دعا پڑھی: میں اپنا چہرہ اس اللہ ربّ العزت کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، میں ملت ابراہیمی پر قائم ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں۔ میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب اللہ رب العلمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، میں اسی کا حکم دیا گیا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں، اللہ تعالیٰ تیرے نام سے، تیرے لئے محمد (ﷺ) کی اور ان کی امت کی طرف سے...... اللہ کے مبارک نام کے ساتھ اور اللہ بہت بڑا ہے۔ پھر آپ نے ذبح کیا۔''

2- (الف) احسان کے ساتھ راحت پہنچاتے ہوئے ذبح کرنا

((عن رسول الله ﷺ قال: إن الله کتب الإحسان علی کل شیئ فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبحة۔ ولیحد أحدکم شفرته ولیرح ذبیحته)) (۲)

''رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا رویہ اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب تمہیں کسی کو (قصاص یا میدانِ جنگ وغیرہ

(۱) [سنن ابو داود، کتاب الضحایا، باب ما یستحب من الضحایا]

(۲) [مسلم، نسائی، احمد، ابن ماجه، عن ابی یعلی، شداد بن اوس]

میں بھی) قتل بھی کرنا ہو تو اسے بھی اچھی طرح سے (جلد از جلد) انجام دو اور اگر (جانور) ذبح کرنے لگو تو بھی اچھے انداز میں (چابک دستی سے) کرو اور چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔"

اچھی طرح سے اور اچھے انداز میں، کا مطلب جلد از جلد اور چابک دستی سے ہی ہے جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے:

(ب) چھریوں کو جانوروں سے چھپاؤ

((عن عبد الله بن عمر قال أمر رسولِ الله بحد الشفار وأن تُواری عن البهائم وقال إذا ذبح أحد کم فليُجهِز))

"نبی کریم ﷺ نے چھریوں کو تیز کرنے کا حکم دیا اور یہ کہ اسے جانوروں سے چھپایا جائے اور کہا کہ جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو (چھری پھیرنے میں) جلدی کرو"(۱)

نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بکری کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو اسے جیتے جی ہی مار رہے ہو۔

(ج) کھال اتارنے میں جلد بازی نہ کریں

جانور کو ذبح ہو جانے، حتی الوسع تمام خون نکل جانے، طبعاً ٹھنڈا ہو کر بے حس و حرکت اور ساکت ہو جانے تک اس کی کھال اُتارنے میں جلد بازی نہ کی جائے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں: ﴿لا تَعجلوا الأنفس أن تزهق﴾

"جانور کی روح نکالنے میں جلدی نہ کرو حتیٰ کہ خون نکل جائے۔"(۲)

ان تعلیماتِ نبوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ جانور کو پہلے کھلا پلا کر، خوش کر کے، آرام واطمینان سے اسے کسی بھی طرح سے دہشت زدہ، خوفزدہ کیئے بغیر نرم زمین پر لٹایا جائے۔

---

(۱) [احمد، ابن ماجه، کتا ب الذبائح، باب إذاذبحتم فأحسنوا الذبح]

(۲) [سنن دارقطنی وارواء الغليل (۲۰٤۲)]

چھری کو کسی اوٹ مثلاً دیوار یا کسی پردہ سے یک دم نکالا جائے اس سے پہلے جانور کی آنکھوں پر ترجیحاً کپڑا ڈال لیں۔

3- تقرب إلى الله

کیونکہ اگر دونوں بڑے کام کر لیے جائیں لیکن اسے کسی آستانے پر ذبح کیا جائے اور نیت ذبح لغیر اللہ کی ہو تو صرف اسی وجہ سے وہ حرام ہو جائے گا۔ جیسے قرآن کریم میں ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ﴾ [المائدة : ٣]

''تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا اور جس پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن تم اسے ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعے فال گیری کرو، یہ سب بدترین گناہ ہیں۔''

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ذَكَّيْتُمْ ارشاد فرما کر اسے شرعی ذبح اور کھانے کے لئے حلال قرار دیا جبکہ آگے ذُبِحَ کا لفظ ارشاد فرما کر آگے مذکور شرکیہ عمل کی نجاست کی وجہ سے جانور ہی کو حرام قرار دے دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ محض ذبح کر دینا حتیٰ کہ تکبیر بھی پڑھ دینا، اسے شرعی معنوں میں حلال نہیں کر دیتا جب تک کہ اس کا مقصود تقرب الی اللہ اور رضوان من اللہ حاصل کرنا نہ ہو۔

(2) جدید طبی تحقیقات/شرعی بصائر

1- شرعی ذبح کا سائنسی جائزہ......اچانک زخم:

جب بھی کوئی بھرپور جوانی والا (مُسِنَّۃ : دوندا) حلال جانور اس کیفیت کے ساتھ اچانک ذبح کیا جاتا ہے کہ اسے اس سے پہلے، دوران یا بعد میں خوفزدہ نہ کیا گیا ہو، خصوصاً ذبح کے بعد حرام مغز کی بتی نہ کاٹی گئی ہو۔

(الف) اس کا خون زیادہ آسانی اور تیزی سے بکثرت نکلتا ہے اور اکثر تقریباً سارا نکل آتا ہے اور دل کی دھڑکن کافی دیر تک تیز رہتی ہے۔

(ب) زخم لگتے ہی، خصوصاً خون کی مقدار جسم میں کم ہوتے ہی دل و دماغ کے باہمی ہنگامی رابطے ہوتے ہیں، دل دماغ کو حکم دیتا ہے کہ (حکماء کی زبان میں) ''اب 'قوتِ مدبرہ' کو جگاؤ، تمام اعصاب کو ہنگامی حالات کی خبر دے کر جان بچانے کے لئے جو ہوسکتا ہے کرو''۔ دماغ جواباً ایک طرف دل کے لئے تیز تیز دھڑکنا تجویز کرتا ہے تاکہ خون کو کم مقدار کے باوجود اسے جلدی جلدی پمپ کر کے جسم کے تمام حصوں تک پہنچا کر اس کے ذریعے آکسیجن (حیاتی گیس Life Gas) دل و دماغ کو پہنچائی جا سکے۔ دوسری طرف خودکار اعصابی نظام (Autonomous Nervous System) کو حکم ملتا ہے کہ وہ یہ خون جسم کے ہر ہر حصے تک جلدی جلدی پہنچانے اور گندا خون واپس لانے کے لئے متحرک و مستعد ہو جائے۔ اس سے بدن میں خون کی مقدار کم ہو جانے کے باوجود دھڑکن، نبض چلتی رہتی ہے، دورانِ خون تیز ہو جانے کی وجہ سے بلڈ پریشر کافی دیر تک اور کافی حد تک قائم رہتا ہے اور یکدم نہیں ختم ہو جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حتی الوسع تمام خون بدن کے کونے کونے سے نکل جانے تک دماغ اور خودکار اعصابی نظام کام کرتا رہتا ہے۔

(چنانچہ اڑتے ہوئے پرندے کو اگر گولی سے شکار کیا جائے اور پھر وہ زخمی اور زندہ حالت میں مل جائے تو تب بھی اسے ذبح کر دینا بہتر ہے تاکہ خون اچھی طرح نکل جائے۔)

یہ رحم دلانہ، آسان ترین اور بہترین طریقۂ موت ہے جو شرعی ذبیحہ والے جانور کو

اسلام کی طرف سے رحمت للعالمین ﷺ کے بتائے ہوئے اسوۂ حسنہ کے مطابق تجویز ہوا ہے۔اسی طریقہ میں موت کی تکلیف بھی سب سے کم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تقریباً تقریباً اسی کیفیت سے جان آفرین کے سپرد کرنے (شہادت) پر شہید اللہ کی طرف سے بار بار ''کچھ مانگو'' کی پیشکش رحکم پر یہ جواب دیتا ہے کہ ''مجھے دوبارہ شہادت کی موت عطا فرما'' اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''واللہ! میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے راستے میں شہید ہوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔'' (۱)

2- خون...... مادّی (طبی) وشرعی حقائق

(الف) مینڈھے، بھیڑ میں کل خون اسکے زندہ وزن کا اوسطاً تقریباً بارہواں حصہ (8.01%) ہوتا ہے اور بیل میں اوسطاً تقریباً تیرھواں حصہ (7.71%) ہوتا ہے۔ (Blacks Veterinary Dictionary p. 93) مثلاً اگر کسی مینڈھے، بھیڑ کا زندہ وزن 60 کلو ہے تو اس کے اندر تقریباً 5 کلو تک خون ہوگا اور 325 کلو وزنی گائے میں 25 کلو تک خون ہوگا، وعلیٰ ہذا القیاس...... انسانی معدہ خون ہضم نہیں کرسکتا کیونکہ انسانی معدہ میں خون کی لحمیات (ہیموگلوبن وغیرہ) کو ہضم کرنے والے خامرے (Enzymes) نہیں پائے جاتے بلکہ خون پینے کی کوشش پر قولنج تک ہوسکتا ہے۔

(ب) خون جراثیم کی بڑھوتری کا بہترین ذریعہ (Growth & Culture Medium) ہے۔لیبارٹریوں میں جب کسی مریض کی پیپ ٹسٹ کرتے ہیں تو اسے خون سے تیار کردہ ایک مرکب میں ڈال دیتے ہیں۔ پیپ کے جراثیم ایک ہی دن میں کروڑوں کی تعداد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جب ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہوجاتی ہے تو ان کی نہ صرف شناخت آسان ہوجاتی ہے بلکہ ان پر مختلف دوائیاں (Antibiotic) ڈال کر دیکھا بھی جاسکتا ہے کہ وہ کس دوائی سے مرتے ہیں۔اس طرح بیماری کے باعث کا پتہ لگنے کے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الایمان]

ساتھ ساتھ (بلکہ اس سے پہلے ہی) علاج بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ اس عمل میں پتے کی بات یہ ہے کہ جراثیم خون پر ہی پھلتے پھولتے ہیں۔ اس لئے خون کا استعمال متعدد خطرات کا باعث ہو سکتا ہے۔(۱)

غالباً اسی لئے انسان کے لئے خون حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں اس کی حرمت کے بارے میں کم از کم چار دفعہ ذکر ہوا ہے۔ ہر جگہ پہلے مردار بعد میں خون۔ مردار بھی غالباً اسی لئے حرام ٹھہرایا گیا ہے کہ اس کے اندر عموماً سارا خون رہ جاتا ہے۔ صاحبِ تیسیر القرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''خون چونکہ حرام ہے، اس لئے موت کی ہر وہ صورت جس میں خون جسم سے نکل نہ سکے، وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوئی۔'' [سورۃ المائدۃ : ۳، حاشیہ ۱۳]

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مردار اور جھٹکا اگر مکمل حرام ہے تو آدھا یا کم و بیش خون نکلنے دینا اور باقی اندر رہنے دینا نیم حرام ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآنی لفظ ﴿ذَكَّيتُم﴾ ''جسے تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو'' میں ایک دلچسپ لغوی نکتہ ہے کہ ﴿ذَكَّيتُم﴾ ذاء سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جانور کو اس طریقے سے ذبح کرنا کہ اس کی جان جلد از جلد اور بسہولت نکل جائے۔ اس میں جانور کی سہولت کا خیال رکھنا۔(۲)

دوبارہ واضح رہے کہ اس میں جلد از جلد کا تعلق چھری کی تیزی اور استعمال میں چابک دستی سے ہے۔ جیسا کہ پیچھے حدیث ''لا تعجلوا الأنفس أن تزهق'' کی تشریح میں واضح کیا گیا ہے۔ نہ کہ منکا توڑ کر تکلیف در تکلیف اور نیم جھٹکا کرنے سے۔ جیسا کہ آگے بھی تفصیل آرہی ہے۔

---

(۱) [طبِ نبویؐ اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی: جلد ۲، صفحہ ۴۷۹]

(۲) [مقاییس اللغۃ بحوالہ مترادفات القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی ص ۵۲۷]

اس بارے میں حدیث میں الزکوٰۃ، اُذَکِّیھِمَا، فذکَّیتُھُمَا (ذاء سے، بمعنی ذبح کرنا) کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں: جیسا ''ألا إن الذکوۃ فی الحلق واللّبة ''ذبح حلق اور حنجرہ پر ہے'' (دارقطنی، عن ابی ہریرۃ/ابن ماجہ عن محمد بن صفوان، کتاب الصید) ذبح کے لئے اس مادہ کا استعمال بڑا اذو معنی ہے۔

(ج) جب جانور کے جسم میں ابھی کافی جان باقی ہوتی ہے کہ اس کے حرام مغز کو کاٹ کر دل و دماغ کو صدمہ اور پورے جسم کو ایک جھٹکا لگا دیا جاتا ہے۔ اس سے جسم میں کیا ہلاکت آفرینیاں ہوتی ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق ہسٹامین، ایڈرینالین سے بڑھ کر **Cerebro-Spinal Fluid (CSF)** (دماغی نخاعی سیال) کے خارج ہونے سے ہے۔ یہی دماغی موت **(Brain Death)** ہے یعنی وہ حالات جن میں دماغ کے کلیدی اَجزا بالخصوص **(Brain Stem)** کام کرنا چھوڑ دیں۔ تعین موت کا یہی سب سے زیادہ بااعتماد اور جدید طریقہ ہے جبکہ سابقہ معیارِ تعین موت (سانس، نبض اور حرکتِ قلب وغیرہ کا بند ہو جانا) اب حتمی نہیں رہتے''

(The Penguin Dictionary of Psychology, by Arthur S. Reber, Ed.1985, P. 101)

جب بھی مندرجہ بالا **CSF** خارج ہوتا ہے تو دماغی موت واقع ہو جاتی ہے۔ گردن مروڑنے سے، پھر منکا توڑنے سے، پھر **CSF** خارج ہونے سے سخت صدمات سے، ہسٹامین کا اخراج ہوتا ہے اور جھٹکے کے ساتھ دماغی موت کا پہلا مرحلہ واقع ہو جاتا ہے جبکہ حرام مغز کی بتی کاٹنے سے آخری جھٹکا اور دماغی موت مکمل ہو جاتی ہے۔

سائنسی پس منظر: سائنسی طور پر جب بھی کوئی شخص یا جانور کسی دہشت ناک منظر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائے یا دل و دماغ کو کسی بھی طرح سے کوئی دہشت پہنچائی جائے، کوئی ضرب، چوٹ (پنجابی میں ''گجھی سٹ'' **(Blunt Injury or Contused**

wound) - لگائی جائے، صدمہ پہنچایا جائے تو ان صورتوں میں کم وبیش کیفیات یہ ہوتی ہیں کہ دہشت اور درد کے مارے اس کا خون خشک ہو جاتا ہے...... نبض کمزور اور سست پڑ جاتی ہے اور مدہوشی طاری ہو جاتی ہے، پتلیاں پھیل جاتی ہیں۔ (۱)

پھیپھڑوں، جگر، جلد میں موجود مادہ ہسٹامین فوراً خارج ہو کر خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس زہریلے مادّے سے خون کی نالیوں کا قطر بڑھ جاتا ہے اور یہ پھیل جاتی ہیں (Vasodilation) جس سے خون کا دباؤ کم اور اخراجِ خون بہت ہی کم ہو جاتا ہے۔

(Blacks Veterinary Dictionary p 364, Geoffrey P. West, 12th Ed. ELBS London)

ہسٹامین، ہیموگلوبن میں موجود ایک کیمیائی مادہ ہے جو کم مقدار میں بھی عضلات (گوشت) اور خون کی نالیوں پر گوناگوں برے اثرات ڈالتا ہے **(A Pocket Medical Dictionary, Lois Oaks, London, P 206)** ...... یہ ہسٹامین جسم کے رگ وریشہ میں کس حد تک پیدا ہوتی ہے اور اس کی مہک **(Smell)** سے بدن کا گوشت کس حد تک متاثر بلکہ زہر آلود ہو جاتا ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب جنگل میں کوئی شخص کسی درندے کو دیکھ کر دہشت کا شکار ہو جاتا ہے تو اس عمل سے پیدا ہونے والی ہسٹامین کو وہ درندہ شیر وغیرہ، بہت دور ہی سے سونگھ کر جان لیتا ہے کہ قریب ہی ایسا کوئی شکار (حیوان یا انسان) موجود ہے جو میری موجودگی سے دہشت زدہ ہو گیا ہے۔ وہ ہسٹامین کی 'خوشبو' کی سمت سفر کرتا ہوا شکار کو دبوچ لیتا ہے۔ حالانکہ ابتدا میں وہ شکار اس کے دائرۂ نگاہ میں نہیں ہوتا۔ (۲)

اسلام نے ان تمام کیفیات کا اِحاطہ کر دیا ہے جن میں ہسٹامین پیدا ہوتی اور جسم کو متاثر کرتی ہے۔ وہ تمام حالات جن میں مجروح ہونے کے بعد ہسٹامین پیدا ہوتی ہے گوشت کو

(۱) [طبِ نبوی : خلاصہ ص ۴۸۵]

(۲) [طب نبوی : ص ۴۸۶، ۴۸۷]

بدذائقہ، بدرنگ اور مضر صحت بنا دیتے ہیں۔

جانوروں میں چوٹ کھانے یا خاص طور پر کند آلے سے مجروح ہونے کے بعد ہسٹامین کی پیدائش کی وجہ سے بلڈ پریشر گر جاتا ہے۔ گوشت کا رنگ گہرا سرخ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے طبی زبان میں (Blunt Injuries) میں، زخمی ہونے والے جانوروں کا گوشت حرام قرار دے کر اپنے ماننے والوں کے لئے بیماریوں سے بچاؤ کا ایک اہم منصوبہ پیش کیا ہے۔ حرام جانوروں کی فہرست میں ان کیفیات کو دیکھ کر ہم کو بہت پہلے ہی احساس ہو جانا چاہئے تھا کہ ان تمام حالات میں ایک ایسی قدرِ مشترک ہے جو اس طرح زخمی ہونے والے جانوروں کے گوشت کو کھانے والوں کے لئے مضر صحت بنا دیتی ہے۔ ان جانوروں کو انسانی استعمال کے لئے نا قابل (Unfit) قرار دینا اسلام کا ایک اہم احسان ہے جو ٹھوس سائنسی حقیقت پر مبنی ہے۔ (۱)

چھری پھیرنے کے فوراً بعد گردن موڑنے رمروڑنے کے اس صدمہ وانقطاع حرام مغز سے خون کا ایک زہر (ہسٹامین) پورے بدن میں پھیل جانے، خون کی نالیاں پھیلنے سے خون کا دباؤ کم ہو جانے اور دماغ کا باقی سارے بدن سے رابطہ ختم ہو جانے سے فوراً ہی جانور کے ساکت وصامت ہو جانے پر بیشتر خون بہت زہریلا ہو کر اندر ہی رہ جاتا ہے۔ متذکرہ بالا گائے کے قریباً 25 کلو خون میں سے خارج ہو سکنے والے تقریباً 20 کلو خون کی بجائے قریباً 10 کلو ہی نکلتا ہے۔ باقی خون اور اس کا زہر پورے بدن کے گوشت میں پھیل جاتا ہے۔ یہ گوشت شروع میں گہرا سرخ ہوتا ہے۔ موسم کے مطابق تین چار گھنٹوں میں سیاہی مائل ہو جاتا ہے، مخصوص بدبو دینے لگتا ہے، اچھی طرح گلتا ہے، نہ پورے طور پہ ہضم ہوتا ہے۔ پکاتے وقت عجیب قسم کی (خون جلنے کی) بدبو اور سڑانڈ بھی آتی ہے۔ یہ ساری سزا ﴿ذَكَّيْتُمْ﴾ کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے ہے۔

---

(۱) [طب نبوی اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی، خلاصہ ص ٤٨٧]

3- شرعی و روحانی حقائق / بصائر

ایک سائنسی تجربہ میں ایک جانور کو جھٹکا کیا گیا جبکہ دوسرے کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا (اور جانور کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کے حرام مغز کی بتی نہیں کاٹی گئی)

ساتھ ہی دونوں جانوروں کا خون لے کر اور ان دونوں نمونوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا گیا۔ جھٹکے والے جانور کے معمولی بہنے والے خون میں کافی ہسٹامین (زہر) پائی گئی، نیز اس جانور کے بدن میں بھی کافی ہسٹامین والا خون پایا گیا جبکہ ذبیحہ والے جانور کا خون بہت زیادہ مقدار میں خارج ہوا جو کیمیاوی معائنہ میں تقریباً طبعی (نارمل) پایا گیا۔ جانور کے بدن میں برائے نام خون تھا جو کہ نارمل تھا۔

اسی طرح ایک دوسرے تجربے میں دو جانوروں کو ذبح کیا گیا ایک پر بسم اللہ، اللہ أکبر پڑھی گئی اور دوسرے پر نہیں پڑھی گئی۔ دونوں کے دل کا برقی معائنہ (ECG) ذبح کے وقت کیا گیا۔ تکبیر والے جانور کے دل کا معائنہ بتاتا تھا کہ وہ پوری شدومد کے ساتھ حرکت کرتا رہا جبکہ دوسرے جانور کا ریکارڈ بے انتہا منتشر انداز کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق جانور بھی ذبح کے وقت اللہ کا نام لئے جانے سے اطمینان سے جان دیتے ہیں کہ وہ اپنے خالق کے طے کردہ نظام کے مطابق جان دے رہے ہیں جبکہ اس کے برعکس ان کی موت بھی بہت دکھ اور کرب کی موت ہوتی ہے۔

(3) مذبح منیٰ کا واقعہ

منیٰ (سعودی عرب) کا ذبیحہ خانہ پوری دنیا کا سب سے بڑا ذبیحہ خانہ ہے جس کا رقبہ پانچ لاکھ مربع فٹ ہے۔ (شہری لحاظ سے تقریباً 14 / ایکڑ اور دیہی و زرعی لحاظ سے تقریباً ساڑھے گیارہ ایکڑ) جس میں روزانہ دو لاکھ مویشی ذبح کیا جا سکتے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق ''بارہ کروڑ ڈالر کی لاگت آنے والے اس ذبیحہ خانے میں دس ہزار

کارکن کام کریں گے''۔(۱)

1990ء میں راقم کو اللہ تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی سعادت بخشی تو منیٰ میں قربانیوں کی صورتِ حال کے معائنہ کا موقع بھی عطا فرمایا۔ گروپ کے باقی تمام افراد (جو بیشتر اعزہ واقارب ہی تھے) نے راقم کو اس کی پیشہ ورانہ تعلیم و تجربہ کے پیش نظر گروپ کا متفقہ نمائندہ بنا کر مذبح منیٰ میں بھیجا۔ وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں بھی متعدد قصاب حضرات پاکستانی ہیں اور ان میں بھی ابتدا میں ذکر کی گئی تکلیف دہ عادات ہی پائی جاتی ہیں کہ اسی طرح ہی فوراً گردن کاٹ کر اور منکا **(Ligaments of Atlanto-axial Joint)** توڑ کر جانور کا خون پورا نکلنے سے کافی دیر پہلے ہی اسے ساکت کر دیتے ہیں جس سے پاک کرنے کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے بلکہ اس کا اثر قربانی کی حلت وحرمت تک جا پہنچتا ہے۔ چنانچہ راقم نے وہیں بیٹھے بیٹھے تین چار اوراق میں منصوبہ گوشت قربانی **(Sacrificial Meat Project)** کے منتظم اعلیٰ جناب صدر اسلامی ترقیاتی بنک جدہ کے نام انگریزی میں ایک خط لکھ کر اس تکلیف دہ صورت حال کو شرعی اور طبی بنیادوں پر واضح کر کے یہ تحریر ان کے مقامی دفتر میں وصول کرائی جس کا جواب بھی انہوں نے جلد ہی شکریہ ادا کرتے ہوئے بھیجا۔ جس میں بیان کیا کہ ''اس سلسلے میں آپ کی مشاہداتی رپورٹ ڈاکٹروں تک پہنچا دی جائے گی اور مجھے یقین ہے کہ وہ اس معاملے میں اس کے مطابق خیال رکھیں گے۔''

باوجود اس بات کے کہ وزارتِ حج، وزارتِ انصاف اور افتاء و دعوۃ کے علماء پر مشتمل کمیٹی اور ان کے ساتھ سعودی عرب کی جامعات میں شریعت کے کم وبیش سو (100) طلباء یہاں کے تین ذبیحہ خانوں میں ذبح کے عمل کی نگرانی کرنے اور اس سلسلے میں شریعت کے تمام اصول وقوانین پر عملدر آمد کی یقین دہانی مؤثر بنانے کے لئے پہلے

---

(۱) [روزنامہ ''نوائے وقت'' ۱۲/ مارچ ۲۰۰۰ء]

ہی سے تعینات ہیں، اس بارے میں مطلوبہ اہتمام نہیں کیا جاتا۔ راقم الحروف اس امر پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ انہوں نے میری سفارشات کو نہ صرف سنجیدگی سے لیا بلکہ اس کے مطابق آئندہ توجہ کرنے کی یقین دہانی بھی اپنے باضابطہ خط میں کرائی جس کی اصل راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اس امر کے نظر انداز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قربانی کو ذبح کرنے میں دو مختلف میدانوں کا معاملہ درپیش ہے۔ جب تک کوئی شخص شریعت کا ماہر اور خوفِ الٰہی رکھنے کے ساتھ ساتھ طب اور طبِ حیوانی کا ماہر نہ ہو، اسے یہ سمجھنے میں مشکل پیش آ سکتی ہے کہ قصابوں کے کون کون سے داؤ پیچ ہیں۔ کس عمل میں وہ کس حد تک حق بجانب ہیں یا صرف پیشہ ورانہ مہارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ان کے کس کس لاشعوری عمل سے طبی و شرعی لحاظ سے قربانی کے جانور پر کیا کیا آفات بیت جاتی ہیں۔ اسی طرح قصاب حضرات اور ان کے نگران وٹرنری ڈاکٹروں کو بھی جب تک اللہ کا خوف نہ ہوگا، وہ یہ بات علماءِ شریعت سے آخر کیوں پوچھیں گے کہ اس اس عمل سے قربانی کا عمل شرعاً کیا غلط تو نہیں ہو جاتا؟

(4) ذبح کرنے کے اسلامی طریقے کی اصل روح

1- ذبح کرنے والے کو بوقت ذبح دراصل اس جذبۂ قربانی کو یاد کرنا چاہیئے جو قربانی کے سارے فلسفہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان بھی اللہ کے راستے میں مسنون طریقہ کے مطابق لٹا دینے کا جذبہ ہی اس کی اصل روح ہے۔ جس کے بغیر قربانی ایک کارِ عبث ہے۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہیئے نیز یہ کہ یہ جانور بھی جاندار ہونے کے لحاظ سے بالکل ہماری طرح ہیں، اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ حیاتیاتی عوارض رمراحل ہماری طرح ان پر بھی بیتتے ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں۔ ہمارا اور اس قربانی کے جانور کا مالک، خالق و ربّ تو ہی

ہے۔ تیرے ہی حکم پر تیری رضا جوئی کے لئے، تیرے راستے میں مسنون طریقہ سے اور تیرے نام سے اپنی عزیز چیز کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔ (جہاد و قتال کا) وقت آنے پر ہم اپنی اور اپنے اہل خانہ کی بھی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اسے رَا نہیں تو ہی قبول فرمانے والا اور ہمیں اجر و ثواب سے نوازنے والا ہے۔

ہمارے قصاب بھائی جنہیں پیشہ ورانہ فرائض کے طور پر بہت زیادہ ذبیحے کرتے رہنا پڑتا ہے۔ مرغی ہو چاہے گائے' اونٹ اگر وہ بھی اسی جذبے سے ذبح کرتے رہیں تو نہ صرف انہیں ہر درجہ ثواب ملتا رہے گا' تقرب اِلی اللہ حاصل ہوتا رہے گا بلکہ موت یاد رہنے کی وجہ سے بھی ان کا دل بہت نرم رہے گا اور انسانی معاملات میں شقاوت کے سے اَفعال سے بچنا ان کے لئے بہت ہی آسان ہو جائے گا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ﴾

''اور زمین میں کوئی چوپایہ نہیں اور کوئی پرندہ اپنے پروں سے نہیں اڑتا مگر یہ تمہارے جیسے ہی مخلوق (اُمتیں) ہیں۔'' [سورة الأنعام : ۳۸]

یہ تو اللہ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا اور ان حلال جانوروں کو ہمارے قبضہ و کنٹرول میں دے دیا ہے تاکہ ہم بحکم الٰہی ربوقتِ ضرورت مسنون طریقہ سے ذبح کر کے انہیں اپنی خوراک بنا سکیں اور ہم انہیں اپنی خوراک بناتے بھی رہتے ہیں۔ ایک دن تو بہر حال ہمیں بھی مرنا ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ بلکہ بستر مرگ پر موت تو بہر حال اس سے زیادہ تکلیف دہ ہی ہوگی کیونکہ سب سے کم تکلیف والی موت انسان کے لئے میدانِ جنگ میں شہادت ہی کی موت ہے جب وہ اپنی عزیز جان کو اپنے خالق حقیقی کے حضور پیش کر دیتا ہے۔

(5) چند اعتراضات اور ان کے جوابات

سوال: قصاب بھائیوں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو

وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ جی، اس طرح جانور جلدی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو جانور کو زیادہ رحمدلانہ طریقے سے ذبح کرنے کا تاثر ملتا ہے...... ان کی بات میں بڑا وزن معلوم ہوتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ہم عید قربان کے موقع پر اپنے جانور ذبح نہ کرنے دیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی مخلوق سے رحم کرنے والا اور کون ہوسکتا ہے۔ وہ تو سگی ماں سے بھی زیادہ رحیم ہے۔ شروع میں بیان کردہ حدیث کے مطابق وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ ''چھری کو اچھی طرح تیز کرو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ'' کے مطابق اصل رحم تو یہ ہے کہ جانور کو چابک دستی کے ساتھ، آناً فاناً، اچانک جرأت مندی کی کاٹ کے ساتھ (with a Single Bold Incision) ذبح کیا جائے۔ رہی بات ان کی منطق کی تو وہ محض لاعلمی میں یا عادتاً ایسا کرتے ہیں۔ اس کی ساری خرابیاں ہسٹامین کے حوالے سے پہلے واضح کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ کہ بدن میں رکا ہوا یہ خون بھی گوشت کے بھاؤ بک جائے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر کم وقت میں زیادہ جانور 'ذبح' کر کے زیادہ 'اچھی' دیہاڑی بنانے کا معاملہ بھی ہوتا ہے۔

قصاب حضرات (اور گجر بھائی) ہمارے معاشرے کی بڑی اہم برادری ہیں، ذبح کے بعد کھال اتارنے اور گوشت بنانے میں ان کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں جبکہ ہمارا دین ہم سے جانور کو اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ قربانی کے جانور کو ذبح خود ہی کرنا ہمارا اہم دینی فریضہ ہے۔ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورہ کے سب سے کم الفاظ کے باوجود اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم 'وَانْحَرْ' (قربانی کرو) موجود ہے۔ نبی ﷺ نے اس کی تعمیل میں 62 سال کی کبرسنی میں بھی 63 اونٹ خود اپنے دست مبارک سے ذبح کیے، بقایا 37 کے نحر کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا اسلامی فریضہ ہے۔ 10؍ذی الحجہ کو اللہ کے راستے میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ ثواب کسی بھی اور کام کا نہیں ہے۔

بڑے بڑے دین دار لوگ اسے خالصتاً دنیا دارانہ، بے رحمانہ کام سمجھتے ہوئے یا عید کے کپڑوں کی شان وشوکت خراب ہونے کے اندیشے سے ذبح کرنے سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب یہ کام دینی ہدایات سے واقف اہل علم کی بجائے اَن پڑھ لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔راقم کا اپنا ایک چشم دید واقعہ ہے کہ لاہور کے مضافاتی ایک سلفی مدرسے کے زیر انتظام قصاب حضرات کافی انتظار کے بعد' دو پہر کو آئے، ان کے انچارج صاحب ایک بنیان پہنے جس پر کارٹون سے بنے تھے، گلے میں لاکٹ لٹکائے، فلمی ہیرو کی شکل بنائے ہوئے، نحر کرنے آگے بڑھے۔ایک ساتھی نے اونٹ کی رسی سے اس کا سرتانے رکھا، اگلی دونوں ٹانگیں پہلے ہی باندھی ہوئی تھیں پھر انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک ہی ہلے میں گردن کے آغاز درمیان اور اوپر تین زخم لگائے اور واپس آ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ رقص کرنے لگے کہ میں نے اکیلے ہی اور ایک ہی ہلے میں اونٹ نحر کر لیا ہے.....قربانی ایسا دینی عمل صرف ایک دنیاوی تماشا بن کر رہ گیا ہے۔پس اپنی قربانی کو حتی الوسع خود ذبح کرنا چاہیے۔لیکن مسنون طریقے کے مطابق۔

سوال: ذبیحہ کا معاملہ تو واقعی بہت اہم ہے۔حلال اور صحت مند گوشت کی فراہمی شریعت کے علاوہ روزمرہ صحت انسانی کا مسئلہ بھی ہے۔مگر ذبیحہ خانے میں ہم تو نہیں جا سکتے ۔ یہ معاملہ ہم کیسے کنٹرول کریں۔تکبیر کے ساتھ صحیح ذبیحہ حاصل کرنے کے لئے ہم یہ احتیاط کیسے کریں؟

جواب: اپنا دنیاوی و دینی اثر ورسوخ استعمال کریں۔اچھے ذہن کے وٹرنری ڈاکٹروں سے رابطہ رکھیں۔ان کی تنظیم میں شامل ہوں یا انہیں کسی تنظیم میں انتظامی عہدے کی سطح پر شامل رکھیں۔ان کے ذریعے صحیح مسنون شکل میں ذبیحہ کا گوشت استعمال کریں۔گوشت کو بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں، یہ نیت کرتے ہوئے کہ "اے اللہ تعالیٰ!اس کھائی جانے والی چیز مثلاً گوشت میں جو جو طبی آفات (جراثیمی، طفیلیاتی، مرضاتی، گردوغبار کی

آلودگیاں یا کیمیاوی زہر، تابکاری وغیرہ) یا روحانی آفات (جیسے جادو، ذبح لغیر اللہ وغیرہ) پوشیدہ ہیں' تو ہی ان کو جاننے والا ہے، میں تیری ہی پناہ میں آتا/آتی ہوں۔ تو ہی مجھے ان سے محفوظ رکھ سکتا ہے اس لئے کہ کسی مخلوق کا علم ان سب کا اس انداز میں احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔ تو مجھے ان سب سے محفوظ رکھ۔'' اور جو بات اپنے بس اور طاقت سے باہر ہے، اللہ تعالیٰ وہ معاف فرمائے گا، اس پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی...... اِن شاءاللہ ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾

سوال: ہم مسلمانوں کے ذبیحہ کی مندرجہ بالا صورتحال تو واقعتاً ہوش ربا ہے مگر قرآن کریم کے مطابق تو یہودیوں کا بھی ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے ﴿وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ﴾ پھر آخر اس حد تک تفاوت کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ''یہودیوں کو سنتِ ابراہیمی کے مطابق جو تعلیمات دی گئی ہیں، وہ ہماری شریعت سے زیادہ سخت ہیں۔ کئی باتیں ایسی ہیں کہ جو ہم اپنے لئے مستحب اور افضل سمجھتے ہیں ان کیلئے وہ فرض تھیں۔ یعنی ان کو ملحوظ نہ رکھنے پر ان کا ذبیحہ حرام ہو جاتا تھا، مثلاً :

1- ذبح کرنے والا شخص عالم دین ہو، اس نے ذبح کرنے کی با قاعدہ تربیت حاصل کی ہو۔ ایسے عالم کو وہ (Sohet) کہتے ہیں۔

2- ذبح کرنے والی چھری کی دھار اُسترے کی مانند تیز ہو، اس پر دندانے نہ ہوں۔ اتنی تیز ہو کہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی سمت میں چلائی جائے (اور ذبح کا عمل مکمل ہو جائے)۔ اس عمل میں نہ تو زیادہ زور لگایا جائے اور نہ چھری کو بار بار چلایا جائے۔ اگر جانور کی رگیں ایک ہی حرکت (Only One Bold Incision) سے نہ کٹ سکیں تو گوشت حرام ہو جائے گا۔

3- جانور کے ذبح کے بعد معائنہ کر کے دیکھا جائے کہ وہ صحیح طریقے سے ذبح کیا گیا ہے۔ اس کی ٹانگ کے ساتھ ایک سرٹیفکیٹ بصورتِ ٹیگ لگایا جائے۔ جس پر عبرانی زبان

میں ''کھانے کے لئے پاک کر دیا گیا'' کے علاوہ ڈرائنگ کی شکل میں ایک مارکہ اور ذبح کرنے والے کا نام، تاریخ اور جگہ مرقوم ہوتی ہے......ایسٹ اینڈ (لندن) میں وسیع کاروبار والے عبداللہ نامی یہودی قصاب سے ایک مرتبہ مرغی خریدنے کا اتفاق ہوا تو اس کی ٹانگ کے ساتھ ذبیحہ کی درستی کے متعلق ذبح کرنے والے کی تصدیق کا ٹیگ منسلک تھا۔

4- ذبح کرنے کے بعد جانور کو نمک لگایا جائے تا کہ جانور کے جسم سے باقی کا بھی رہا سہا سارا خون باہر نکل آئے۔(۱)

ہمارے ہاں علماءِ کرام اوّل تو جانور خود ذبح ہی نہیں کرتے ہیں۔ قصاب پر ہی سارا معاملہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دوم جو کرتے ہیں تو صحیح مقام اور صحیح انداز سے ذبح کرنے کے تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ چھری کے استعمال کے بارے میں بھی عوام میں انتہا پائی جاتی ہے، کبھی تو اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک ہی جھٹکے میں مرغی کی گردن تلوار کی طرح ساتھ ہی کاٹ کر پھینک دی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید قربان کے موقع پر کند چھری سے ہی ذبح کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

راقم ایک دفعہ قریبی دکان سے مرغی کا گوشت لینے گیا، دوکاندار نے مرغی ذبح کر کے ڈرم میں پھینک دی، ڈرم میں کچھ دیر تک مرغی کے پھڑ پھڑانے/ پھڑکنے کی آواز نہ آئی تو راقم نے آگے ہو کر ڈرم میں جھانکا، اف میرے اللہ! وہاں یہ تکلیف دہ منظر دکھائی دیا کہ مرغی ڈرم میں کھڑی تھی، اس کی گردن سے قطرہ قطرہ خون نکل رہا تھا، اگر ڈرم نہ ہوتا تو وہ بھاگ جاتی، گویا کہ اسے مرغِ بسمل کی طرح صرف تکلیف سہنے کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا۔ توجہ دلانے پر دکاندار نے مرغی کو ڈرم سے نکالا، دوبارہ چھری پھیری، تو وہ معصوم بے زبان جان دے سکی۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون!

چھری، چاقو اور نشتر ایک ہی سمت میں چلانے سے تکلیف کم ہونے کی حقیقت سرجن

(۱) [(طب نبوی' باب: یہودیوں میں جانوروں کا ذبیحہ، خلاصہ صفحہ ٤٩٦]

اور وہ مریض جنہوں نے کبھی جراحتِ صغیرہ کرائی ہو، جان سکتے ہیں۔ ڈاکٹری میں نشتر پیچھے کی طرف نہیں چلایا جاتا۔

ماحصل:

1- تقرب إلی اللہ کے جذبہ سے مسنون طریقے سے تکبیر پڑھتے ہوئے چھری پھیرنے کے فوراً بعد جانور کے طبعاً ٹھنڈا ہو جانے تک اس کی گردن موڑ مروڑ کر منکا ہرگز نہیں توڑنا چاہیے اور (چھری کی نوک وغیرہ سے) حرام مغز کی بتی ہرگز ہرگز نہیں کاٹنی چاہیے۔ اس کے لئے مینڈھے، بکرے، گائے کے طبعاً ٹھنڈا ہونے میں اندازاً 2 سے 5 منٹ تک صبر سے انتظار کرنا نہایت ضروری ہے۔

2- انتظار کے ان چند منٹوں میں اپنی موت کو بھی یاد کرنا چاہیے۔ تقرب الی اللہ کے جذبہ کو خالص سے خالص تر اور لوجہ اللہ تازہ کرنا اور رکھنا چاہیے جیسا کہ مضمون کے چوتھے حصے (اصل روح) میں ذکر ہوا ہے۔

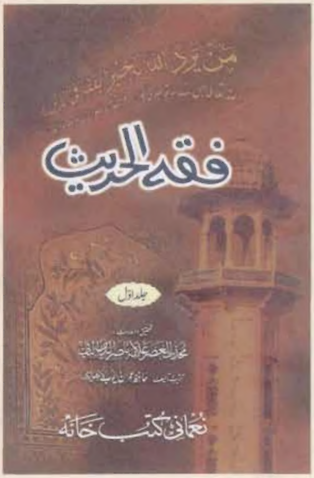
3- جانور کے جسم سے حتی الوسع تمام خون نکل جانے' اس کے بے حس وحرکت ہو جانے سے جان مکمل طور پر نکل جانے (جسے پاؤں کی ٹھوکر یا جانور کے بدن کو جھنجھوڑنے سے چیک کیا جاسکتا ہے) کے بعد ہی کھال اُتارنا شروع کرنا چاہیے۔ اس عمل کے آخر میں گردن کو موڑا بلکہ الگ بھی کیا جائے گا...... یہی اس مضمون کی بڑی وجہ تالیف ہے۔

ہم سبھی کو چاہیئے کہ ہم تقوی اور خوف الٰہی کو اپنا مستقل شعار بنائیں۔ اس خصوصی التزام کے ساتھ علمائے شریعت اور علمائے طب حیوانی اور صحت انسانی سے اس بارے میں خصوصا رہنمائی اور مخلصانہ مشورہ ہمیں انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوۂ حسنہ کے مطابق ذبح کا عمل انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

عبادات

اسلامی طرز زندگی سے متعلق فقہی احکام و مسائل

فقہ کی معروف کتاب "الدرالبھیہ" کا ترجمہ و تشریح بمعہ تخریج و تحقیق



- یہ کتاب امام شوکانیؒ کی فقہی مسائل پر مبنی جامع کتاب (الدرالبہیہ) کی اردو زبان میں سہل و آسان انداز میں لکھی گئی شرح ہے جس میں الفاظ کی لغوی و اصطلاحی تشریح، مذاہب فقہا اور دلیل کی رو سے راجح موقف کی نشاندہی کی گئی ہے اسے ہمارے ارشد تلامذہ میں سے **حافظ عمران ایوب لاہوری سلمہ اللہ** نے بڑے ہی سلجھے ہوئے فقیہانہ انداز میں مرتب کیا ہے۔ اور اس بے جا تاثر پھیلانے والوں کی بھی نفی کر دی ہے کہ کتاب و سنت کے پیروکار فقہی مسائل و معاملات کی صحیح سمجھ و بصیرت نہیں رکھتے ہیں۔
- احادیث کی تحقیق کے لئے سب سے زیادہ اعتماد علامہ ناصر الدین البانیؒ کی تحقیق پر کیا گیا ہے۔ علامہ البانی کی تحقیق کے علاوہ جن دیگر علماء محققین کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ہیثمی، امام حاکم، ذہبیؒ، حافظ بوصیریؒ اور عصر حاضر کے شیخ شعیب اُرنوط، شیخ عبدالقادر ارنوط، شیخ محمد صبحی حسن خلاق، شیخ علی محمد معوض، شیخ عادل عبدالموجود اور شیخ حازم علی قاضی وغیرہ شامل ہیں۔
- احادیث کی تخریج کے لئے معیاری نمبرنگ کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔
- مسائل میں آئمہ اربعہ کے موقف کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر دیگر آئمہ وفقہا مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ، امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، امام ابن قدامہؒ، امام شوکانیؒ، امام ابن منذرؒ، امام ابن حزمؒ، امام صنعانیؒ شمس الحق عظیم آبادیؒ، عبدالرحمان مبارکپوریؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، سید سابقؒ، علامہ ناصر الدین البانیؒ شیخ ابن بازؒ، شیخ صالح بن عثیمینؒ، شیخ ابن جبرینؒ، شیخ ابن فوزانؒ، شیخ محمد بن ابراہیمؒ آل شیخ، شیخ عبدالرحمان سعدی اور سعودی مجلس افتاء میں شامل علماء کے اقوال و فتاویٰ جات بھی نقل کیے گئے ہیں۔
- اختلافی مسائل میں قرآن و سنت کے زیادہ قریب اور راجح موقف کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اردو عبارت اتنی آسان رکھی جائے کہ عام فرد بھی اس سے مستفید ہو سکے۔
- یہ فقہ الحدیث کے ذخیرہ میں گراں قدر اضافہ، مایہ ناز کاوش، دلائل و مسائل کا عظیم ذخیرہ اور شرعی احکامات کا منبع ہے۔

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ